قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۶ شمارہ: ۱۰

شوال المکرم: ۱۴۴۴ھ - مئی: ۲۰۲۳ء

قیمت فی شمارہ: ۵۰ روپے، زرِ سالانہ: ۶۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

نائب مدیر

مولانا سید احمد یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800، پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-0101900 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

وضاحت

ماہنامہ ''بینات'' میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر و عبر

پاکستان: بیرونی مداخلت کی آماجگاہ کیوں؟	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

مکاتیبِ بنوریؒ ... مکتوب بنام حضرت تھانویؒ اور اُن کا جواب	۸	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
حضرت ابوہریرہؓ سے بکثرت روایات کے اسباب (قسط:۲)	۱۱	ترجمہ: مولانا محمد یاسر عبداللہ
اَمانت کی حفاظت کرنا ... نبی اکرم ﷺ کا طریقہ	۲۲	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
سنتِ طیبہ اور علماء احناف کا استدلالی انداز	۲۷	مفتی عبید الرحمٰن
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا فقہی مقام و مرتبہ!	۳۸	مولانا محمد نعمان خلیل
اے اہلِ ایمان! ... سچوں کے ساتھ رہو!	۴۶	مولانا عبدالصمد
عاریت پر لی گئی کتب سے متعلق چند گزارشات!	۵۵	مولانا محمد طیب حنیف

دار الافتاء

مہرِ شرعی کی مقدار	۶۲	ادارہ
آن لائن تلاوت کی صورت میں سجدۂ تلاوت کا حکم	۶۳	

پاکستان: بیرونی مداخلت کی آماجگاہ کیوں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفی

ایک وقت تھا کہ ہمارا ملک معاشی طور پر مستحکم اور ترقی کی منازل طے کر رہا تھا، پھر اچانک اس وقت کے وزیر اعظم کی تبدیلی، اس کے بعد الیکشن میں ایک خاص تکنیک کے ذریعے ایک جماعت کو مصنوعی طریقے پر کرسیِ اقتدار پر براجمان کرانا، اور پھر اس جماعت کی آڑ میں قادیانیوں کی یلغار، اور پس پردہ پاکستان کے کلیدی عہدوں پر ان کے تسلط کی کوششیں، یورپی یونین کے دباؤ پر آسیہ ملعونہ کی رہائی اور بیرونِ ملک اس کو بھیجا جانا، قومی اسمبلی میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کی باتیں، آئین سے تحفظِ ناموسِ رسالت کے قانون میں تبدیلی کی کوششیں، ختمِ نبوت کے حلف نامہ کو ختم کرنے کی جسارتیں، اس کے ساتھ ساتھ اسٹیٹ بینک کو ورلڈ بینک کے کنٹرول میں دینا اور آئی ایم ایف کے ساتھ معاہدوں کی شکست وریخت کے ذریعہ وطن عزیز کی معیشت کو تباہی کے دَہانے پر پہنچانا، یہ سب کچھ گزشتہ حکومت کے دور میں ہوا۔ کوئی ایک کام اور پروجیکٹ ایسا نہیں بتایا جاسکتا جو عوامی مفاد کے لیے کیا گیا یا لگایا گیا ہو۔

اب حال یہ ہے کہ قومی اسمبلی میں عدمِ اعتماد کی تحریک کے نتیجے میں وفاقی حکومت ہاتھ سے جانے کے بعد دو اسمبلیاں ایک شخص کی اَنانیت کی بھینٹ چڑھانے کے بعد یہ جماعت کبھی جلسہ کرتی ہے،

کبھی ریلیاں نکالتی ہے، کبھی جیل بھرو تحریک چلاتی ہے، اور اب اس جماعت کا کام صرف اپنے قائد کی حفاظت اور جس دن عدالت میں جائیں تو یہ تمام جتھے اپنے قائد کی معیت میں عدالت کے اندر تک جانے کے لیے قانون اور ضابطوں کو روندتے ہوئے عدالتوں کو مرعوب کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور یہ بات بجا طور پر صحیح ہے کہ اگر کوئی مذہبی جماعت یا تنظیم اس کا ایک حصہ بھی ایسا کرتی تو وہ دہشت گرد قرار دی جا چکی ہوتی اور اس پر پابندی لگ چکی ہوتی۔ لیکن اس لاڈلی اور بے راہ رو جماعت کے کارکنان پولیس اور دوسری فورسز پر پتھراؤ، پیٹرول بم اور اداروں کے افسران اور جوانوں کو ڈنڈوں، اینٹوں اور غلیلوں سے لہولہان اور زخمی کر چکے ہیں، اور طرفہ تماشا یہ کہ ہماری عدالتیں جس طرح اس جماعت کو ریلیف اور سہولتیں دے رہی ہیں، ماضی میں کسی اور جماعت کو اس طرح کی سہولتیں دینے کی مثال نہیں ملتی۔

اسی جماعت نے اپنے مفاد اور اقتدار کے لیے اپنے نوجوانوں کے ایک گروہ کو اپنی ریاست، اس کی سالمیت اور ملکی و نظریاتی سرحدوں کی نگہبان فوج کے خلاف کھڑا کر دیا۔ آج اسی جماعت کے کارکنوں نے لندن میں بھارتی نژاد وزیر اعظم کے گھر کے سامنے پاک فوج کے خلاف نعرہ بازی کی، اور انہوں نے آرمی چیف جناب حافظ عاصم منیر صاحب کے پوسٹر اُٹھا رکھے تھے، جن پر توہین آمیز ریمارکس درج تھے، ان کے خلاف جو نعرے لگا رہے تھے، وہ سراسر توہینِ مذہب پر مبنی تھے۔

مبینہ طور پر اب ہر عام و خاص کے ذہن اور زبان پر یہ بات آچکی ہے کہ لگ یوں رہا ہے کہ ادارے آپس میں ایک پیج پر نہیں، یہ تمام مناظر اداروں کی آپس کی لڑائی کے شاخسانے اور پھر ہر ادارے میں ایک واضح تقسیم اور پسند اور ناپسند کی تصویر پیش کر رہے ہیں، جو کہ ایک ریاست اور ملک کے لیے کوئی نیک شگون نہیں۔

بات صرف اندرونِ ملک سیاسی رسہ کشی یا پسند اور ناپسند کی ہوتی تو کسی قدر قابلِ برداشت ہوتی، اب تو حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ بیرونِ ملک میں بیٹھے ہوئے لوگ بھی ہمارے سیاسی معاملات میں واضح طور پر ایک سیاسی جماعت کی حمایت میں نہ صرف بول رہے ہیں، بلکہ در پردہ وہ ہمارے اداروں اور حکومت کو دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔ ان میں سے:

①: ایک ''زلمے خلیل زاد'' جو سی آئی اے کا ایجنٹ ہے، افغانستان کی تخریب اور عراق کی بربادی میں امریکیوں کا نہ صرف حمایتی بلکہ امریکہ کی طرف سے سفارت کار اور ان کا نمائندۂ خصوصی رہا ہے۔ اب امریکہ کی طرف سے کوئی عہدہ نہ رکھنے کے باوجود گزشتہ مہینوں میں اس نے عمران خان سے کئی گھنٹے خفیہ ملاقات کی ہے۔ عمران خان اور جنرل قمر جاوید باجوہ کے درمیان صلح صفائی کرانے کی بھی کوشش کی ہے، اب وہ کھل کر عمران خان کے حق میں بول رہا ہے۔ جنگ اخبار کے معروف کالم نگار محترم جناب سلیم صافی صاحب

زلمےخلیل زاد سے اپنی ایک ملاقات کے احوال میں لکھتے ہیں کہ: زلمےخلیل زاد وہ آدمی ہےجس کی ہر بات سے پاکستان کے خلاف نفرت جھلک رہی تھی اور ایسا لگ رہا تھا کہ پاکستان سے متعلق امریکی اور افغانی غصہ ان کی ذات میں یکجا ہوگیا ہے۔اور یہ بھی کہا کہ انہوں نے امریکی مفادات کے حصول میں اس قدر بنیادی کردار ادا کیا کہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (وزارتِ خارجہ) سے وابستہ ہونے کے باوجود انہیں سیکرٹریز دفاع (گیٹ، ڈونلڈ رمسفیلڈ اور ڈک چینی) نے ڈیفنس میڈلز سے نوازا اور یہ بھی لکھا کہ: طالبان کے خلاف امریکی حملے سے قبل اور اس کے بعد وہ ہمہ وقت امریکی انتظامیہ پر زور ڈالتے رہے کہ طالبان کے خلاف کارروائیوں سے زیادہ پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت ہے۔

②:ایک ’’آصف محمود قادیانی‘‘ ہے جو امریکی کانگریس کا رکن ہے، الیکشن میں جس کی حمایت کے لیے عمران خان نے امریکہ میں رہنے والے پاکستانیوں سے ووٹ مانگنے کی اپیل کی تھی اور اس کے حق میں بیانات دیئے تھے، وہ بھی پاکستان کے خلاف اور عمران خان کے حق میں بیان دے رہا ہے۔

③:اسی طرح ’’گریک برے‘‘ جو سخت گیر برطانوی یہودی ہے، سابق سفیر رہا ہے، انسانی حقوق کی ایک تنظیم چلاتا ہے، لیکن یہ اسلام کے مقدسات اور مقدس شخصیات کے کارٹون بنانے کا حامی ہے، اسلام دشمن اور رسول اللہ ﷺ کے خاکے بنانے والوں کی حمایت میں سب سے آگے ہے، یہ بھی عمران خان کے حق میں بیانات دے رہا ہے، بظاہر تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم پاکستان میں سب لوگوں کو قانون میں برابر سمجھتے ہیں، لیکن در پردہ وہ قادیانیوں کو بھی سب کے برابر سمجھنے کی بات کرتا ہے۔

حالانکہ بین الاقوامی قانون ہے کہ کوئی بھی شخص کسی ملک میں رہنا چاہتا ہے تو پہلے اس ملک اور ریاست کو تسلیم کرے، پھر اس کے آئین اور قانون کو مانے، تب وہ اس ملک کی شہریت اور اس ملک کے وسائل کو استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔ رہے قادیانی، یہ نہ تو پاکستان کی ریاست کو دل سے تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی اس ملک کے آئین اور قانون کو مانتے ہیں تو یہ عام پاکستانیوں کے برابر کیسے ہوگئے؟ اس کے علاوہ ہر قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے کی بنا پر کافر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان اور حضور ﷺ کو آخری نبی ماننے والوں کو مسلمان ہونے کے باوجود کافر کہتا ہے۔ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ پاکستان اکھنڈ بھارت بنے گا، اس لیے وہ اپنے مردے جناب نگر میں امانتاً دفناتے ہیں۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کے بعد وہ اور زیادہ پاکستان کے مخالف اور اس کو کمزور اور ناکام کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، اسی لیے قادیانی کہیں پس پردہ رہ کر اور کہیں اپنے زرخرید ایجنٹوں کے ذریعہ ہمہ وقت اور ہمہ جہت پاکستان کے لیے مشکلات کھڑی کرتے رہتے ہیں، اس لیے در پردہ وہ ایک

سیاسی جماعت کو مہرہ بنا کر اپنے کام نکلوانے اور اپنے منصوبے کی تکمیل چاہتے ہیں، لیکن ان شاء اللہ! ان کے تمام ناپاک عزائم ناکام ہوں گے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بھی ایک سیاسی جماعت کی پناہ میں انہوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی، لیکن اسی جماعت نے ان کو مسلمانوں سے علیحدہ کردیا، ان شاء اللہ! یہ مزید آگے بڑھے تو اب بھی ان کا حشر ایسا ہی ہوگا۔

④: اسی طرح ''جارج گلیے'' اپنے بیان میں کہہ رہا ہے کہ ایک قانونی وزیر اعظم کے گھر پر حملہ کیا گیا ہے اور پھر کہتا ہے کہ: اگر عمران خان کو گرفتار کیا گیا تو وہ شاید سلاخوں سے واپس زندہ نہ آسکے، اور کہتا ہے کہ عمران خان سے اس لیے ڈر رہے ہیں کہ اگر وہ حکومت میں آتا ہے تو وہ آئین کو تبدیل کردے گا۔ وہ کہتا ہے کہ پاکستانی آئین کو تبدیل ہونا چاہیے اور یہ بات ایک عرصہ سے کہی جارہی ہے اور اس کی کوشش کی جارہی ہے کہ پاکستان کے آئین کو تبدیل کیا جائے، اس کی اسلامی حیثیت کو ختم کیا جائے اور اس کی اسلامی دفعات خصوصاً ناموسِ رسالت کے قانون کو تبدیل کیا جائے۔

پاکستان میں یہ سب کھیل اور تماشا اس لیے کھیلا اور رچایا جارہا ہے کہ ملک دشمن، آئین دشمن اور اسلام دشمن لابیوں کی خواہشوں اور تمناؤں کو پاکستان میں پورا کیا جاسکے۔ اللہ کرے ایسا نہ ہو۔

ہم عمران خان اور اس کی جماعت سے یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کا ان بیرونی عناصر سے کوئی تعلق نہیں ہے تو برملا ان کے بیانات کی تردید کریں اور برملا ان سے کہیں کہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے اور ہمارے ملکی معاملات میں کسی کو دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ موجودہ حکومت کے وزیر خزانہ جناب اسحاق ڈار اور ان کی ٹیم آئی ایم ایف سے کئی مہینوں سے مذاکرات کررہے ہیں، اور وہ ابھی تک نتیجہ خیز ثابت نہیں ہورہے، ان سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ کہیں کوئی بات آئی ایم ایف کے کارپردازان کے حلق میں اَٹکی ہوئی ہے، جسے وہ کھلے الفاظ میں کہنا چاہتے ہیں، لیکن نہیں کہہ پارہے۔ افواہ کہیں یا حقیقت، اس طرح کی بات اُڑائی گئی ہے کہ بیرونی طاقتیں یہ چاہتی ہیں کہ جب تک اس معاہدہ پر عمران خان صاحب دستخط نہیں کریں گے، یہ معاہدہ مکمل نہیں سمجھا جائے گا۔ اور اسی طرح ہمارے وزیر خزانہ سے منسوب یہ بیان بھی دبے لفظوں میں آیا ہے کہ: ''کوئی ہمیں یہ نہ سمجھائے کہ کتنی رینج کے میزائل رکھنے چاہئیں اور کتنی رینج کے نہیں۔'' جس سے یہ تأثر اُبھرا کہ شاید آئی ایم ایف ایٹمی پروگرام پر کچھ شرائط عائد کرنا چاہتی ہے، لیکن بعد میں وزیر خزانہ صاحب کا بیان آیا کہ میرے بیان کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے، حقیقی بیان کیا تھا، اس کی وضاحت انہوں نے بھی نہیں کی۔

بہرحال ملک ایک نازک صورت حال سے گزر رہا ہے، ایک طرف جہاں پاکستان میں معاشی عدمِ استحکام اور سیاسی افراتفری ہے، اس کے ساتھ ساتھ ملک دشمن یہودی ہوں یا قادیانی، وہ اپنے اپنے ایجنڈے کی

تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان کے آئین اور قانون کو پہلے بازیچۂ اطفال بنانے کی سعی نامشکور کی جارہی ہے، پھر دھیرے دھیرے اس کو لا حاصل اور لایعنی باور کرا کر خاکم بدہن تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اس لیے مقتدر قوتوں اور اربابِ اختیار سے ہمارا مطالبہ ہے کہ آگے بڑھ کر اس تمام کھیل کو ختم کریں، دین دشمن، ملک دشمن، اور اسلام دشمنوں کے ناپاک منصوبے اور غلیظ عزائم جن ایجنٹوں کے ذریعے وہ انہیں پورا کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، ایسے عناصر کو چن چن کر قانون کے شکنجے میں کسا جائے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے، یہی سب سے بڑی ملک اور قوم کی خدمت ہوگی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے ملک کی ہر طرح کی حفاظت فرمائے اور جو ادارے اس کی حفاظت اور ملک دشمنوں کے عزائم خاک میں ملا رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں بہترین نعمتوں سے مالا مال کرے، آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

حضرت مولانا عبدالرؤف ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال

جامعہ کے قدیم استاذ، ماہرِ معقولات ومنقولات، استاذِ حدیث حضرت مولانا عبدالرؤف ہالیجوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یکم رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۳/ مارچ ۲۰۲۳ء بروز جمعرات کو انتقال فرماگئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهٗ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ. آمين

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، آپؒ کی دینی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

حضرتؒ کی حیات وخدمات پر تفصیلی مضمون آئندہ شمارے میں شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ
باتوفیق قارئینِ بینات سے حضرتؒ کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مکاتیب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مکاتیب بنام حضرت تھانویؒ اور اُن کا جواب

انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مکتوب حضرت بنوری رحمہ اللہ بنام حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سيدي ومولائي، حكيم الأمة المحمّدية وزعيمها، أطال الله بقائكم في عافية وصحة، آمين!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ![1]

مدت سے اشتیاقِ ملاقات روز افزوں ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے احسنِ احوال میں بہرہ اندوز فرمائے۔[2] درمیاں سال میں پشاور جانے کا کچھ قصد ہورہا ہے، اگر یہ قصد پورا ہوا تو ارادہ ہے کہ کم از کم دو دن کے ارادے سے آستانہ پر حاضری کی اجازت چاہوں، نسأل الله التوفيق![3]

کچھ دن ہوئے کہ خواب میں آپ کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوا، دیکھا کہ آپ نے بہت سفید کپڑے پہنے ہیں، اور خانقاہ میں تشریف رکھتے ہیں، سامنے ایک کتاب وقلم بھی موجود ہے، جیسا کچھ لکھنے کا ارادہ ہو، آپ کے پہلو میں، میں بھی حاضر ہوں، اور کوئی نہیں، میں نے کوئی رسالہ ہاتھ میں لیا، مطالعہ کررہا ہوں، پھر اس کو رکھا کہ یہ ادب کے خلاف ہے کہ آپ تشریف رکھتے ہوں اور میں مطالعہ کروں، جب میں نے اس خیال سے کتاب رکھ دی، آپ میری طرف متوجہ ہوئے، اور میرے ہاتھ کو پکڑ لیا، اور اپنی طرف کھینچا، اور انگوٹھے کو دبایا اور توجہ دی، یہاں تک کہ میں بے ہوش ہونے لگا، پھر آپ نے چھوڑ دیا، اور اس وقت میں محسوس کررہا تھا کہ بتدریج میرے دماغ میں ایک کیفیت بے ہوشی کی سی چڑھ رہی ہے، اور دل میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی۔ بیدار ہوا تو دیر تک ''بين النوم واليقظة'' کی سی حالت طاری تھی، اور اس کیفیت سے لذت اندوز ہورہا تھا، اور گمان کرتا ہوں کہ اب تک اس کا اثر دل میں باقی ہے، نہ

معلوم کچھ فیض حاصل ہونے کی طرف اشارہ ہے یا کوئی اور چیز ہے؟! بہرحال اگر خیال بھی (ہے) تو ایسا خیال بھی مبارک ہے۔اگر کوئی تعبیر ہواور مطلع فرمائیں توممنون ہوں گا۔ (۴)

اللہ تعالیٰ آپ کے مبارک وجودکو دیر تک سلامت رکھے، اور تشنگانِ فیض کو اس ابرِکرم سے سیراب فرماتا رہے،آمین یا رب العالمین! (۵) میں خیر وعافیت سے ہوں اور اپنے علمی مشاغل میں تقریباً مصروف ہوں۔ (۶) براہِ کرم اپنی عافیت سے مطلع فرمائیں۔ (۷)

مشتاقِ لقاء، محتاجِ دعاء
محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ
از ڈابھیل، شنبہ ۹ رصفر سنہ ۱۳۶۰ھ

جوابِ حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(۱) السلام علیکم

(۲) ایسا امر اہم نہیں کہ اس کو اشتیاق وانعام کا یہ درجہ دیا جائے، جب بدونِ تکلف میسر آجاوے، کافی ہے۔تعلق دل سے کافی ہے،ضروری منافع ہیں، یا یہی ملاقات کے برابر ہے۔

(۳) اُس وقت بھی وہی اصول قابلِ اعادہ ہیں۔

(۴) میرے مذاق میں خواب کا درجہ بہت مؤخر ہے،جس کا ماخذ وہ حدیث ہےجس میں رؤیا صالحہ کومبشرات میں سے فرمایا گیا ہے، اور تبشیر کا اثر قرآن میں ''فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَانِطِيْنَ'' (سو آپ نااُمید نہ ہوں۔) ہے،جس کا حاصل تقویتِ رجاء ہے، نہ کہ حصولِ قرب، اس لیے مجھ کو نہ خواب سے زیادہ دلچسپی، نہ تعبیر میں ذہن چلتا ہے، نہ بشارت میں تفصیل کی ضرورت، البتہ دعائے برکت کرتا ہوں۔

(۵) اللہ تعالیٰ اس محبت کا صلہ عطا فرماوے۔

(۶) اللّٰهمّ بارك في هٰذه العلوم والأعمال والأحوال والأشغال.

(۷) بحمد اللہ میں بھی ہرطرح بعافیت ہوں۔

من پشاور تحریرًا في ۲۵ رمضان سنة ۱۳۶۰ھ

صاحب المآثر والمعالي السائرة، سیدنا حضرة حكيم الأمة، أطال الله بقائهم في عافية للدين والعلم والمسلمين!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! (۱)

مدت سے حضرت اقدس کی طبیعتِ مبارکہ کے بارے بعضے تشویش ناک خبریں سنتا رہا، (۲)

سوائے عاجزانہ دعا کے کوئی اور مقدور نہ تھا۔ (۳) جناب محترم وصل صاحب بلگرامی (نامور شاعر اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسترشد) کے مکتوبِ گرامی سے یہ معلوم ہوکر انتہائی خوشی حاصل ہوئی کہ حضرت اقدس کے مزاجِ گرامی اب رُوبصحت ہیں، اور کوئی تشویش کی بات نہیں، اور لکھنو سے عازمِ وطن ہورہے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس آفتابِ علم کی تابانی سے امتِ مرحومہ کو دیر تک مستفید فرمائے، آمین! (۴) سالِ گزشتہ کے وسط میں پشاور آکر ڈابھیل گھر والوں کو صرف اس خیال سے لے گیا تھا کہ ماہِ رمضان المبارک وغیرہ ایامِ تعطیل کو تنہائی میں وہیں گزاروں، تاکہ کچھ سکونِ قلب میسر آئے، لیکن میرے محترم قبلہ والد ماجد (مولانا محمد زکریا بنوری) صاحب دس سال سے کابل میں مقیم تھے، اور دس سال سے ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی، وہ پشاور تشریف لائے، اور اتنے طویل عرصہ میں ان کا انتظار رہا، اس لیے ایامِ تعطیل میں ان کی ملاقات کو ترجیح دی اور پشاور آیا، اور تقریباً وسطِ ماہِ شوال میں ان شاء اللہ تعالیٰ عزمِ ڈابھیل کروں گا۔ زیارت کا بے حد مشتاق ہوں، لیکن گھر والے اور سامان کی وجہ سے (ریل گاڑی سے) اُترنے میں بہت دقت ہے، اس لیے اب غائبانہ دعوات کا محتاج ہوں۔ (۵) حضرتِ اقدس کے مکارم ومراحمِ عالیہ سے اُمیدوار رہوں کہ ان ایامِ مبارکہ میں دوتین دفعہ دعا سے سرفراز فرمائیں گے۔ (۶) واللہَ سبحانه وتعالیٰ أسأل أن يُطيل حياتَكم الطيبة في عافية وهناء، ونفع الأمة أجمعين، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقهٖ سیدنا ومولانا محمد وآلهٖ وصحبهٖ وتبعهٖ إلٰی یوم الدین.

میرے قبلہ والدِ محترم، خدمتِ اقدس میں تحیاتِ مسنونہ عرض کرتے ہیں۔ (۷)

کتبہ

محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ

از پشاور ۲۵ر رمضان المبارک

جوابِ حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(۱) السلام علیکم

(۲) اس میں راویوں کا مبالغہ بھی تھا۔

(۳) اگر مقدور بھی ہوتا تو وہ دعا سے زیادہ بہتر نہیں ہوتا۔

(٤) اللہ تعالیٰ اس محبت کا صلہ عطا فرماوے۔

(۵) ہمچناں میرو کہ زیبا میروی (آپ یونہی جایئے کہ خوب صورت چال چلتے ہیں۔)

(۶) بہ دل وجان۔

(۷) میری طرف سے بھی سلامِ مسنون وطلبِ دعا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایات کے اسباب

اور بعض شبہات کا اِزالہ (دوسری اور آخری قسط)

مولانا طلحہ بلال احمد منیار
ترجمہ: مولانا محمد یاسر عبداللہ، استاذِ جامعہ

مرویاتِ ابوہریرہؓ کے متعلق معاصر اہلِ علم کے اعداد وشمار

بعض معاصر اہلِ علم نے بھی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے دست یاب کتبِ حدیث کے پیشِ نظر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کو شمار کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جن احادیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہؓ سے منفرد ہیں، اُن کی تعداد زیادہ سے زیادہ اندازے کے مطابق (۲۰۰) سے متجاوز نہیں۔ ذیل میں بعض ایسے مقالات وتحقیقات کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے، جن میں اہلِ علم نے مرویاتِ ابوہریرہؓ کو شمار کیا ہے:

❶: ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی کی تحقیق

ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی نے جامعہ اُم القری (مکہ مکرمہ) میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ’’أبو هريرة في ضَوءِ مَرويّاتِهِ بشواهدِها وحال انفرادِها‘‘ کے عنوان پر مقالہ لکھا تھا۔ موصوف اپنے مقالے کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

> ’’ایک پہلو یہ ہے کہ طعنہ زنوں کے طعنوں اور ہولناکیوں کا ایک اہم محور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بکثرت احادیث بیان کرنے کا معاملہ ہے۔ چوں کہ یہ کثرتِ روایت حیرت کا باعث بنتی ہے، اس لیے وضاحت کے لیے اس معاملے کے حدود کی تعیین اور مختلف پہلوؤں کی توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے، مثلاً: کیا یہ کثرتِ احادیث، غیر فطری ہے؟ یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے گرد وپیش کے حالات کا معقول اور فطری نتیجہ ہے؟
>
> اگر یہ حقیقت واضح ہوگئی اور کثرتِ متون کا سبب بننے والی مکرر سندوں کو حذف کرکے انہیں شمار کرنا بھی ممکن ہوگیا تو اُس وقت مرویاتِ ابوہریرہؓ کے متعلق بحث وتحقیق کے میدان میں ایک اور قدم

اُٹھایا جاسکے گا: کیا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث کی اتنی کثیر تعداد کی روایت میں اکیلے ہیں؟ یا ان کی علاوہ دیگر صحابہؓ نے بھی انہیں روایت کیا ہے؟ یا پھر ان میں سے بعض روایات میں وہ منفرد ہیں اور بعض میں منفرد نہیں؟ ان سوالات کا تقاضا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے شواہد تلاش کرکے یکجا کیے جائیں، تاکہ واضح ہو کہ کن احادیث میں وہ منفرد ہیں؟ اور کن روایات کو اُن کے علاوہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی روایات کیا ہے؟

تب ایک اور حقیقت بھی واشگاف ہوسکے گی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اکثر احادیث کے شواہد موجود ہیں اور اُن کی بنسبت دوسری قسم کی اُن احادیث کی تعداد کم ہے، جن احادیث کے شواہد سے ہم واقف نہیں۔

چوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کسی کتاب میں یکجا نہیں، اور کسی ایک کتاب میں مرتب صورت میں موجود نہیں، اس لیے اُنہیں اُن کے مظان سے یکجا کرنا ضروری ہے۔ اور اُن کے اہم مظان مسندِ احمد، پھر کتبِ ستہ ہیں، اس لیے میں نے اُن مصادر سے ان کی مرویات یکجا کیں، اور پھر مراجعت میں سہولت کے لیے انہیں کتب وابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پھر میں نے مرویاتِ ابوہریرہؓ کو دو قسموں میں تقسیم کیا:

پہلی قسم: وہ مرویات جن کے شواہد دیگر صحابہؓ سے بھی ملے ہیں، اور وہ اُن روایات میں حضرت ابوہریرہؓ کے موافق ہیں۔ (ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی نے اس قسم میں حضرت ابوہریرہؓ کی (۹۳۹) احادیث ذکر کی ہیں، اور مقالہ کے آخر میں مزید دس احادیث ذکر کی ہیں، اور حواشی میں اُن کے شواہد درج کیے ہیں، مقالہ کا یہ حصہ ۴۴۴ صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے)۔

دوسری قسم: وہ مرویات جن کے شواہد مجھے نہیں ملے، اور میں نے اُن کی سندوں کی تحقیق کی ہے، تاکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی انفرادی روایات میں صحیح یا حسن روایات کی مقدار معلوم ہوسکے۔ واضح رہے کہ ممکن ہے ہمیں بعد میں دیگر مصادر میں اُن میں سے بعض روایات کے شواہد مل جائیں۔ (ڈاکٹر اعظمی نے اس قسم میں (٦٣٦) احادیث درج کی ہیں، حاشیہ میں اُن کے مصادر درج کیے ہیں، اور اس قسم میں ۱۱۳۱ نمبر پر (ص: ۵۳۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: کلمتانِ خفیفتان ... إلخ (جو صحیح بخاری کی آخری حدیث ہے) ذکر کی ہے)۔‘‘

ڈاکٹر اعظمی رقم طراز ہیں:

’’دوسری قسم بھی تین انواع پر مشتمل ہے:

نوعِ اول: صحیح احادیث، ان کی تعداد (۲۱۴) ہے۔
نوعِ دوم: حسن احادیث، ان کی تعداد (۵۳) ہے۔
نوعِ سوم: ضعیف احادیث، ان کی تعداد (۱۰۲) ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت، خاندان اور قبیلے سے متعلق روایات کو حذف کرنے کے بعد دونوں قسموں کا کل مجموعہ (۱۳۳۶) ہے۔''

ڈاکٹر اعظمی کی تحقیق کا نتیجہ

''اس تحقیق سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی کثرت' باعثِ حیرت نہیں؛ کیوں کہ اگر ان احادیث کو ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرے ایام میں تقسیم کریں تو ہر دن میں حاصل شدہ کا تناسب ڈیڑھ حدیث ہے، جن میں صحیح وضعیف سب احادیث داخل ہیں۔ یہ تناسب بہت معقول ہے۔ باقی رہی وہ احادیث جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد ہیں تو اُن کی تعداد بہت کم ہے؛ کیوں کہ اُن میں صحیح احادیث کی تعداد (۲۲۰) سے متجاوز نہیں۔'' (مقدمہ، ص: ح)

❷: ڈاکٹر محمد مَطَری کا مقالہ، ڈاکٹر اعظمی کے کام کا تتمہ

ڈاکٹر محمد بن علی بن جمیل مطری نے ڈاکٹر اعظمی کے کام کا تتمہ کیا ہے، اُنہوں نے اُن احادیث کی تحقیق کی ہے جنہیں شیخ محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی نے اپنے مقالہ کے دوسرے حصہ میں ذکر کیا ہے۔ صحت وضعف کے اعتبار سے اُن روایات کی تحقیق کی، اور اُن کے شواہد تلاش کرنے کی کوشش کی۔ شیخ مطری رقم طراز ہیں:

''شیخ محقق محدّث اعظمی نے گزشتہ صدی ہجری کے آخر میں ۱۳۹۳ھ میں ایک مفید مقالہ لکھا ہے، جب کہ کمپیوٹر کی مدد سے علمی تحقیق کی آسانیاں نہ تھیں، اس بنا پر بہت سی احادیث کے متعلق انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اُن میں متفرد تھے، جب کہ آج کا محقق یہ جان کاری حاصل کرلیتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اُن احادیث میں متفرد نہ تھے۔ میں نے شیخ اعظمی کے مقالہ میں مذکور تفرداتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جائزہ لیا تو اُن میں سے بہت سی روایات کے شواہد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مل گئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے شواہد کی جان کاری کے لیے میں نے زیادہ تر مسندِ امام احمد پر (شیخ شعیب) ارناؤوط اور کے معاون محققین کی تحقیق سے استفادہ کیا ہے؛ کیوں کہ یہ حضرات امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی سنن کے طرز پر شواہد ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، چنانچہ حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''وفِي البابِ حَديثُ فلانٍ وفلانٍ'' (اس موضوع سے متعلق فلاں فلاں دیگر صحابہؓ سے بھی احادیث ملتی ہیں)۔ پھر اُس حدیث کے شواہد ذکر کرکے اُن کی تخریج کرتے ہیں۔ ان محققین کی تحقیق کے جامع اور مفید ہونے کے باوجود مکتبہ شاملہ میں تلاش کرکے مجھے احادیثِ ابوہریرہؓ کے بہت سے ایسے شواہد بھی ملے جو انہوں نے ذکر نہیں کیے۔ خاص طور پر المعجمُ الكبيرُ للطبراني، مُسندُ البزَّار، كنزُ العُمَّال، السِّلسِلةُ الصَّحِيحة اور إرواءُ الغَليلِ للألباني میں (ایسے بہت سے شواہد ملے)۔

بعدازاں ویب سائٹ الدررُ السنيّة (الموسوعةُ الحديثيّة) میں دیگر شواہد کی تلاش وجستجو کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض احادیث کے ایسے شواہد بھی ہاتھ آئے جو پہلے مرحلے میں نہیں ملے تھے، سچ ہے: ''وَمَآ أُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ إِلَّا قَلِيۡلاً'' (تمہیں تو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)۔

اس تحقیق وجستجو کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تفردات میں صحیح وحسن احادیث کی تعداد محض (۱۱۰) ہے، واللہ اعلم۔

اس موقع پر وہ بات کہنا نہ بھولوں گا جو محدّث اعظمی نے اپنے مقالہ (جس کے تتمہ کے طور پر میں نے یہ مقالہ ترتیب دیا ہے) میں کہی تھی: ''آج کے دن تک مجھ پر یہ نتائج واضح ہوئے ہیں، ممکن ہے کل میں خود یا کوئی اور محقق ان منفرد روایات کے شواہد سے واقف ہوجائے۔''

ڈاکٹر مطری مزید لکھتے ہیں:

''میں اس پہلو سے بھی آگاہ کرنا چاہوں گا کہ یہ اعداد وشمار تقریبی ہیں، قطعی نہیں۔ اور اس کے دو اسباب ہیں:

سببِ اول: ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض صحیح احادیث اُن کے شواہد کے موجود ہونے کی بنا پر یہاں ذکر نہیں کیں، لیکن ممکن ہے کہ وہ شاہد ضعیف ہو؛ کیوں کہ شاہد کا صحیح ہونا شرط نہیں۔ مجھے اور مجھ سے قبل شیخ اعظمی کو جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کوئی صحیح حدیث ملی اور ہمیں اُس کا کوئی شاہد بھی مل گیا، اگرچہ ضعیف سند سے ہی کیوں نہ ہو، تو ہم اُس حدیث کو تفرداتِ ابوہریرہؓ میں ذکر نہیں کرتے۔

سببِ دوم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بعض صحیح احادیث کو اُن کا شاہد موجود ہونے کی بنا پر ہم نے یہاں ذکر نہیں کیا، لیکن ممکن ہے کہ اُس شاہد کا سیاق وسباق حدیثِ ابوہریرہؓ کے سیاق وسباق

سے مختلف ہو، یا اُس روایت میں ایک دو جملوں کے علاوہ اکثر حصہ حدیثِ ابو ہریرہؓ کا شاہد ہو، ایسے موقع پر ایک جملے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تفرد ہونے کے باوجود ہم اُس روایت کو تفردِ ابو ہریرہؓ میں ذکر نہیں کرتے؛ کیوں کہ حدیث کی اصل کا شاہد موجود ہے۔''

بعد ازاں ڈاکٹر مطری نے وہ احادیث درج کی ہیں جن کے شواہد اُنہیں نہیں ملے، اور اُن کی تعداد (۱۱۰) ہے، یوں یہ تعداد' تفرداتِ ابو ہریرہؓ کے حوالے سے ڈاکٹر اعظمی کے ذکر کردہ عدد (۲۲۰) سے کم ہو کر نصف تک جا پہنچی ہے۔ موصوف نے بھی نمبر (۲۹) پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ''کلمتانِ خفیفتانِ عَلی اللسانِ .... '' ذکر کی ہے، لہٰذا (اُن کی تحقیق کے مطابق بھی) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے متفرد ہیں۔

❸: ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کی شماریات

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی اپنی کتاب ''أبو هُريرةَ والحقيقةُ الكاملةُ'' (ص: ۱۹۳) میں رقم طراز ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث کے موضوعات پر گہرے غور و تدبر سے اہم حقائق سامنے آتے ہیں، جن سے آگاہی اور علمی و موضوعاتی دیانت کے ساتھ اُن کی تحقیق ضروری ہے۔

پہلی حقیقت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جانب یہ نسبت درست نہیں کہ اُنہوں نے اکیلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (۵۳۷۴) احادیث روایت کی ہیں، یہ احادیث محض حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ نہیں (بلکہ اُن میں بہت سی احادیث کی روایت میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں) یہی نکتہ میری بحث و تحقیق کا موضوع تھا، جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع عنایت فرمایا۔ ابتدا میں، میں نے کمپیوٹر سے استفادہ کیا، نیز ان علمی مراکز سے استفادہ کیا جنہوں نے کتبِ حدیث کو داخل کیا اور اُن کی تصنیف و ترتیب کا عمل کیا ہے، مثلاً: ''مركزُ خِدمةِ السُّنة النَبويَّة'' (جامعہ ازہر) اور احادیث کا سافٹ ویئر ''مَوسوعةُ صَخر''۔

تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب (۵۳۷۴) احادیث میں سے (۴۰۷۴) بعینہٖ اسی عبارت اور معنی کے ساتھ مکرر ہیں۔ یہ پہلی حقیقت ہوئی۔

دوسری حقیقت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی (۵۳۷۴) احادیث میں سے تمام روایات کو اُنہوں نے اکیلے روایت نہیں کیا، بلکہ (اُن کے علاوہ) مزید ایک، دو یا دو سے زیادہ

صحابہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ چنانچہ مکرر روایات کو حذف کرنے کے بعد حقیقت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد (۱۳۰۰) باقی رہ جاتی ہے، نیز اُن (۱۳۰۰) احادیث کی روایت میں بھی اُن کے ساتھ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شریک ہیں، اور اُنہوں نے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو احادیث روایت کی ہیں، مکررات کو حذف کرنے کے بعد اُن کی تعداد (۱۲۹۲) ہے، بعد ازاں محض ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد دس سے بھی کم ہے۔‘‘

موصوف ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

’’جب میں نے کمپیوٹر کے ماہرین کی ایک خصوصی ٹیم کے تعاون سے بذاتِ خود اس مسئلہ کی تحقیق کی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے متعلق اہم حقائق سامنے آئے۔ جب ہم نے ان کی روایات کی کھود کرید کی تو واضح ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو سے زائد صحابہؓ وتابعینؒ نے روایت کی ہے، اور وہ سب ثقہ و بااعتماد ہیں۔

لیکن کمپیوٹر کے استعمال سے ہمیں بنیادی نکتہ یہ معلوم ہوا کہ جب ہم نے اُن سے مروی احادیث کو حدیث کی کتبِ ستہ میں داخل کیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد (۵۳۷۴) تک پہنچی، پھر کمپیوٹر کے ذریعے مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ اُن میں سے (۴۰۷۴) مکرر ہیں، یوں غیر مکرر روایات کی تعداد (۱۳۰۰) ہوئی۔ پھر اس تعداد کی مزید تحقیق کے بعد واضح ہوا کہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند کے بغیر روایت کی ہیں۔ یہ ایک پہلو ہوا۔

دوسرا پہلو: یہ ہے کہ کتبِ صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند کے علاوہ روایت کی گئی احادیث کو حذف کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جن احادیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد ہیں، اُن کے علاوہ کسی صحابیؓ نے اُن کو روایت نہیں کیا، اُن احادیث کی تعداد، دس سے کم ہے۔

مذکورہ تحقیق سے روایتِ حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی امانت وصداقت نمایاں ہوتی ہے، اور اُن پر باندھی گئی تہمتوں سے اُن کا دامن صاف معلوم ہوتا ہے۔ اس تحقیق میں سیرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے خدمت کرنے والے رجالِ کار نے حصہ لیا ہے، جن میں (ڈاکٹر) محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی بھی شامل ہیں، موصوف نے دقیق تحقیقی کام کیے اور قابلِ قدر جدوجہد کی ہے، اور اس موضوع کے حوالے سے میرا تعاون کیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے احادیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کام کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم کتبِ ستہ سے کتبِ تسعہ (صحیحین، سنن اربعہ، موطا مالک، مسند احمد اور سنن دارمی) کی طرف منتقل ہوئے، اور ہمیں معلوم ہوا کہ کتبِ تسعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب احادیث کی تعداد (۸۹۶۰) ہے، اُن میں سے (۸۵۱۰) روایات، سندِ متصل کے ساتھ اور (۴۵۰) احادیث، سندِ منقطع کے ساتھ مروی ہیں۔ باریک بینی کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کتبِ تسعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد مکررات کو حذف کرنے کے بعد (۱۴۷۵) ہے، اور ان احادیث کی روایت میں بھی اُن کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک تعداد شریک ہے۔

بعد ازاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سند سے روایت کردہ احادیث کو حذف کرنے کے بعد ہمیں ایک اہم حقیقت تک رسائی حاصل ہوئی کہ کتبِ تسعہ میں مکررات سمیت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد (۲۵۳) ہے، اور ایسی روایات جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تکرار کے بغیر منفرد ہیں اور کتبِ تسعہ میں اُن کے علاوہ کسی صحابیؓ نے اُنہیں روایت نہیں کیا، اُن احادیث کی تعداد (۴۲) ہے۔

ہم اپنی تحقیق کو مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن مذکورامور وحقائق نے اُن تمام بے بنیاد وخود غرضانہ شبہات اور اتہامات کو دور کر دیا ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر تھوپے جاتے تھے، اور اُنہیں کثرتِ احادیث کی تہمت لگاتے ہوئے کہا جاتا تھا: ''انہوں نے اکیلے (۸۰۰۰) روایات نقل کی ہیں۔'' اور بعض لوگوں نے کہہ دیا: ''انہوں نے (۵۰۰۰) احادیث اکیلے روایت کی ہیں۔'' یوں ہی بنا سوچے سمجھے، باریک بینی اور تحقیق کیے بغیر (اُن پر اتہامات لگائے جاتے ہیں)۔''

۵: شیخ سید محمد مُنتصِر کتّانی رحمۃ اللہ علیہ کے اعداد وشمار

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے اپنی کتاب ''أبوهُريرةَ والحقيقةُ الكاملةُ'' (ص:۴۴و۴۸) میں لکھتے ہیں:

''علمائے حدیث میں سے ڈاکٹر خلیل ملا خاطر نے ذکر کیا ہے کہ وہ سنہ ۱۳۹۲ھ میں مسجدِ نبوی میں سید محمد منتصر کے درس میں شریک رہا کرتے تھے، شیخ کتانی مسندِ امام احمد بن حنبل کا درس دیتے تھے، اور اُس میں ''مُسندُ أبي هُريرةؓ'' کی احادیث زیرِ درس تھیں، چنانچہ وہ حدیث کو ذکر

کرتے ہوئے یہ بھی بتاتے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کن صحابہؓ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور ایک، دو، تین یا زیادہ صحابہؓ کو شمار کرتے تھے۔ اور ''مُسندُ أبي هُريرةؓ'' کے اختتام پر فرمانے لگے: ''(احادیثِ ابو ہریرہؓ کے متعلق) ہم ایک اہم نتیجے تک پہنچے ہیں کہ (مسندِ احمد میں مذکور روایات میں سے) جن روایات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد ہیں، اُن احادیث کی تعداد محض سات یا آٹھ ہے۔''

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے مذکورہ کتاب (ص:۵۰ تا ۵۴) میں نمونہ کے طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں سے چالیس مثالیں درج کی ہیں، اور ساتھ ساتھ اُن صحابہؓ کا بھی ذکر کیا ہے جو ان احادیث کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں۔

۵: ''مُنتدَی أهلِ البيت'' کے مُشرف کی شماریات

استاذ محمد امین ''مُلتقی أهلِ الحديث'' (معروف عرب ویب سائٹ) میں ''مُنتدَی آلِ البيت'' کے مُشرف محترم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کتبِ تسعہ (صحیحین، سننِ اربعہ، موطا مالک، مسند احمد اور سنن دارمی) میں روایاتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی محض آٹھ احادیث کے علاوہ دیگر تمام روایات میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن کے شریک ہیں، کیا آپ اس کی تصدیق کریں گے؟!

وہ آٹھ احادیث درج ذیل ہیں:

۱: (بَينما رجلٌ راكبٌ بقرةً ...) إلى آخرِ الحديث، سنن الترمذي، أبواب المناقب، رقم الحديث: ٣٦١٠

۲: (قَرأ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ...)، سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة، رقم الحديث: ٢٣٥٣

۳: (أَتدرُونَ مَنِ المُفلِسُ ...)، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، رقم الحديث: ٤٦٧٨

٤: (أَوَّلُ مَن يُدعٰى يومَ القِيامةِ ...)، مسند أحمد، باقي مسند المكثرين، رقم الحديث: ٨٥٥٨

٥: (أظلَّكُم شهرُكم ...)، مسند أحمد، باقي مسند المكثرين، رقم الحديث: ١٠٣٦٥.

٦: (أعذَرَ اللهُ إلى امرِئ ...)، صحيح البخاري، كتاب الرقاق، رقم الحديث: ٤٩٤٠

٧: (أقربُ ما يكونُ العبدُ ...)، صحيح مسلم، الصلاة، حديث رقم: ٧٤٤

٨: (بَينا أيوبُ يغتسلُ ...)، صحيح البخاري، كتاب الغسل، رقم الحديث: ٢٧٠

(مذکورہ تفصیل سے) معلوم ہوا کہ کتبِ تسعہ میں درج (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی) احادیث میں مذکورہ آٹھ احادیث کے علاوہ ہر حدیث میں ایک یا زیادہ صحابہؓ حدیث کو روایت کرنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شریک ہیں، (کتبِ تسعہ میں) محض ان آٹھ احادیث میں وہ منفرد ہیں۔‘‘

راقم (مولانا طلحہ بلال احمد منیار مدظلہم) کا خیال ہے کہ محترم مشرف صاحب نے یہ تحقیق ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی کی کتاب (ص:۱۶۴) سے اخذ کی ہے، کیوں کہ انہوں نے کتبِ تسعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو منفرد روایات ذکر کی ہیں، وہ ڈاکٹر محمد عبدہ کے بیان کے مطابق ہیں۔

❻: ڈاکٹر عبدالسمیع انیس حفظہ اللہ کے اعداد و شمار

ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی ’’بحوثٌ في السُّنةِ الـمُطهَّرة‘‘ (ص:۱۷) میں رقم طراز ہیں:

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کو شمار کرنے کی غرض سے میں نے اہم کتبِ سنت میں سے درج ذیل پندرہ کتابوں کی مراجعت کی ہے:

مُسندُ الإمامِ أحمد، والكتبُ السِّتةُ، مُوطأ مالِك، مُسندُ الحُميدِيّ، سُننُ الدارميّ، صَحيحُ ابنِ خُزيمة، اور الأدبُ المُفردُ۔ نیز کتبِ ستہ کے مصنفین کی چند اور کتابیں۔

میں نے مکرر سندوں کو حذف کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی احادیث کی تعداد (۱۵۰۰) سے زیادہ نہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ تمام احادیث (سنداً) صحیح نہیں، بلکہ ان میں حسن اور ضعیف روایات بھی شامل ہیں۔ اگر ہم ضعیف روایات (ان روایات کے ضعف کی بنیاد حضرت ابوہریرہؓ نہیں، دیگر ضعیف راوی ہیں) کو حذف کردیں تو مذکورہ تعداد میں کمی آجائے گی۔‘‘

❼: استاذ علی عبدالباسط مزید کی شماریات

استاذ علی عبدالباسط نے اپنی کتاب ’’منهاجُ المحدِّثينَ في القرنِ الأوَّل الهجريِّ وحتّٰی

عصرِ نا الحاضِر‘‘(ص:۹۴) میں مروياتِ ابو ہریرہؓ کے بعض اعداد وشمار درج کیے ہیں:

’’۱: صحیحین میں اُن کی (۶۰۹) احادیث ہیں، اُن میں سے (۳۲۶) متفق علیہ ہیں، اور (۹۳) روایات میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں، جب کہ (۱۹۰) روایات میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

۲: سنن اربعہ کے مصنفین اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں اُن کی (۱۶۰۹) روایات درج کی ہیں۔

۳: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں تکرار سمیت اُن کی (۳۸۴۸) روایات ذکر کی ہیں۔

۴: امام بقی بن مَخلد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اُن کی (۵۳۷۴) احادیث روایت کی ہیں۔

۵: ابواسحاق ابراہیم بن حرب عسکری رحمۃ اللہ علیہ (ت:۲۸۲ھ) نے ’’مُسندُ أبي هُريرةؓ‘‘ یکجا کی ہے، اس کا ایک نسخہ ترکی کے کتب خانہ کوپریلی میں موجود ہے۔‘‘

مروياتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت کے اسباب

شیخ احمد محرم ناجی کی کتاب ’’الضوءُ اللامعُ المبينُ عَن مَناهجِ المحدّثين‘‘ (ص:۱۳۴) میں لکھا ہے:

’’منصفانہ غور وفکر کے نتیجہ میں مروياتِ ابو ہریرہؓ کے درج ذیل اسباب سامنے آتے ہیں:

①: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بکثرت حاضری۔

②: صفائے ذہن، شدتِ ذکاوت، جس نے اُنہیں صحابہؓ میں سب سے بڑے حافظِ (حدیث) کا مقام دلایا۔

③: احادیث کی حرص، اور مجلسِ حدیث کی نگہداشت۔

④: علمِ حدیث کے لیے فراغت، اور اُس سے غافل کرنے والے امور نہ ہونا۔

⑤: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد حکومتی امور یا دنیاوی مشغولیات نہ ہونا، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے بحرین سے معزولی کے بعد اُنہوں نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا۔

⑥: (دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بنسبت) تاخیر سے وفات، اس بنا پر اُنہیں بہت سے تابعینؒ سے ملاقات کے مواقع ملے، کہا جاتا ہے کہ اُن سے آٹھ سو (صحابہؓ وتابعینؒ) راویوں نے روایت کی ہے۔

⑦: مذکورہ تمام امور سے اہم نکتہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لیے حافظے میں برکت کی دعا کی اور انہیں اپنے سینے سے چمٹالیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اُس دعا کی برکتوں سے خوب

فائدہ اٹھایا۔‘‘

ذیل میں مرویاتِ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکورہ اعداد وشمار کا خلاصہ نقشہ کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے:

نامِ محقق	اعداد وشمار کے مآخذ ومراجع	کل احادیث کی تعداد	مکررات کے حذف کے بعد تعداد	حضرت ابوہریرہؓ کی متفردات
ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی	مسند أحمد والکتب الستة	...	۱۳۳۶	۲۲۰
ڈاکٹر محمد مَطَری	...	...	...	۱۱۰
ڈاکٹر عبدہ یمانی	الکتب الستة	۵۳۷۴	۱۳۰۰	۱۰
ڈاکٹر عبدہ یمانی	الکتب التسعة	۸۹۶۰	۱۴۷۵	۴۲
ڈاکٹر عبدہ یمانی	الکتب الستة	...	...	۸
سید منتصر کتانی	مسند أحمد	...	...	۸
ڈاکٹر عبدالسمیع الانیس	۱۵ کتابا	...	۱۵۰۰	...
ڈاکٹر علی عبدالباسط	مسند أحمد	۳۸۴۸	...	...

دیگر کتب سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کے اعداد وشمار

نامِ کتاب	نامِ مصنف	مرویات کی اجمالی تعداد
تحفة الأشراف، ط: عبدالصمد	مزی	۳۳۴۳
أطراف المسند الحنبلي	ابن حجر	۲۲۸۳
مسند أحمد، ط: الرسالة	ابن حنبل	۳۸۶۵
المسند الجامع (۱۲ کتاب)	معاصرین	۲۷۳۹

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....

اَمانت کی حِفاظت کرنا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ

ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
فاضل دار العلوم دیوبند، انڈیا

ودیعہ یعنی امانت اُس مال یا سامان کو کہتے ہیں جو کسی کے پاس بطور امانت رکھا جائے۔ جس کے پاس امانت رکھی جائے، اُس کو مودَع یعنی امانت دار یا امین کہتے ہیں۔ مال یا سامان کے مالک کو مودِع یعنی امانت دہندہ یا امانت گزار کہتے ہیں، مثلاً اگر زید نے عبداللہ کے پاس ایک ہزار روپے بطور امانت رکھے تو زید امانت دہندہ یا امانت گزار، عبداللہ امانت دار یا امین اور ایک ہزار روپے امانت کہلائیں گے۔ اسلام نے ہر عملِ خیر کے کرنے کی ترغیب اور ہر عملِ شر سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔ عملِ خیر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا مال یا سامان کسی شخص کے پاس بطور امانت رکھنا چاہے تو امین کو چاہیے کہ اگر وہ اُس مال یا سامان کی حفاظت کر سکتا ہے تو ساری انسانیت کے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق اُس مال یا سامان کو بطور امانت رکھ کر اپنے بھائی کی مدد کرے۔ غرضیکہ شریعتِ اسلامیہ نے ہمیں اپنے پاس امانت رکھنے اور امانت دہندہ کے مطالبہ پر واپس کرنے کی خصوصی تعلیمات دی ہیں، کیونکہ اس کے ذریعہ آپس میں میل جول، محبت اور ایک دوسرے پر بھروسہ پیدا ہوتا ہے جو ایک اچھے معاشرہ کے وجود کا سبب بنتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابۂ کرامؓ حتیٰ کہ کفارِ مکہ بھی اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت داری کو دیکھ کر نبوت سے قبل ہی آپ کو امین کے لقب سے نوازا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگوں کی جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانت دہندوں تک پہنچانے کی ذمہ داری عطا فرمائی اور مدینہ منورہ کے لیے ہجرت فرما گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر ہی سوئے، تاکہ صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں ساری امانتیں لوگوں کو واپس کر دیں اور کسی شخص کو یہ شبہ بھی نہ ہو کہ نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امانتیں لے کر چلے گئے۔

قرآن وحدیث میں امانت اور اس کے احکام کے متعلق متعدد مرتبہ ذکر آیا ہے۔ چند آیات

واحادیث کا ترجمہ پیش ہے:

’’یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ۔‘‘ (سورۃ النساء:۵۸)

’’ہاں! اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے، وہ اپنی امانت ٹھیک ٹھیک ادا کردے۔‘‘ (سورۃ البقرۃ:۲۸۳)

’’اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا اور نہ ہی جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔‘‘ (سورۃ الانفال:۲۷)

’’اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں..... یہ وہ لوگ ہیں جو جنتوں میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔‘‘ (سورۃ المعارج:۳۲)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’امانت کے طور پر رکھی شئے کو واپس کرنا چاہیے۔‘‘ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

قرآن وحدیث کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ کسی کا مال یا سامان بطورِ امانت اپنے پاس رکھنا باعثِ اجروثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

’’نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔‘‘ (سورۃ المائدۃ:۲)

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

’’اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے۔‘‘ (مسلم)

قرآن وحدیث میں وضاحت اور اجماعِ امت کے ساتھ انسانی زندگی کا تقاضا بھی ہے کہ امانت رکھنے اور لینے کی اجازت دی جائے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اگر ہمارا کوئی بھائی یا دوست یا پڑوسی اپنا مال یا سامان بطورِ امانت ہمارے پاس رکھنا چاہتا ہے اور ہم اس ذمہ داری کو انجام دے سکتے ہیں تو ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس کے مال یا سامان کو اپنے پاس بطورِ امانت رکھ لینا چاہیے اور ان شاء اللہ! اس عملِ خیر پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجرِ عظیم ملے گا۔

عمومی طور پر کسی کا مال یا سامان اپنے پاس بطورِ امانت رکھنا ایک مستحب عمل ہے جو باعثِ اجر وثواب ہے۔ البتہ بعض حالات میں امانت رکھنا واجب ہوجاتا ہے، مثلاً کسی شخص کا مال غیر محفوظ ہے اور آپ کی امانت میں اس کے مال یا سامان کی حفاظت ہوسکتی ہے اور کوئی دوسرا ذمہ دار شخص موجود نہیں ہے، تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس شخص کے مال وسامان کو اپنے پاس بطورِ امانت رکھ لیں، تاکہ اس شخص کا مال یا سامان محفوظ ہوسکے۔ اگر آپ امانت کی حفاظت نہیں کرسکتے ہیں تو آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھیں۔ اگر کوئی سامان یا رقم بطورِ امانت رکھ دی گئی تو اس پر متعدد احکام مرتب ہوں گے، ان میں

بعض اہم حسب ذیل ہیں:

① مال یا سامان امین کے پاس بطور امانت رہے گا۔

② امین کو حتی الامکان امانت یعنی ودیعہ کی حفاظت کرنی چاہیے۔

③ امانت دہندہ اپنا مال یا سامان کسی بھی وقت واپس لے سکتا ہے۔

④ امین امانت کو کسی بھی وقت واپس کرسکتا ہے۔

⑤ امین امانت کی حفاظت یا اس کی بقا کے لیے جو رقم خرچ کرے گا، وہ امانت دہندہ کو برداشت کرنی ہوگی، مثلاً جانور امانت میں رکھا گیا تو جانور کے چارہ وغیرہ کا خرچہ، نیز اگر مکان امانت میں رکھا گیا تو اس کی بجلی، پانی وغیرہ کے مصارف اور اسی طرح اگر مکان کی حفاظت کی غرض سے کچھ کام کروایا گیا تو اس کے مصارف امانت دہندہ کو برداشت کرنے ہوں گے۔

⑥ امین کے لیے جائز ہے کہ وہ امانت کی حفاظت کے لیے اپنی اُجرت کی شرط لگائے۔ اگر اُجرت طے ہوئی ہے تو امانت دہندہ کو اجرت ادا کرنی ہوگی۔ ہاں! اگر اجرت طے نہیں ہوئی، لیکن امانت کی حفاظت کے لیے امین کو اپنی زمین کا قابلِ ذکر حصہ استعمال کرنا پڑ رہا ہے تو جمہور علماء کی رائے ہے کہ وہ اس کا کرایا لے سکتا ہے، لیکن امانت رکھنے میں اصل اپنے بھائی یا پڑوسی یا دوست کی خیر خواہی اور بھلائی مطلوب ہوتی ہے، لہٰذا شروع ہی میں یہ معاملہ طے ہوجائے تو زیادہ بہتر ہے، تاکہ بعد میں کسی طرح کا کوئی اختلاف رونما نہ ہو۔

اجرت لینے کی صورت میں بھی جمہور علماء کی رائے ہے کہ بطور امانت رکھا ہوا مال یا سامان اگر امین کی خیانت کے بغیر ضائع ہوگیا یا اس میں کچھ نقصان ہوگیا تو امین پر کسی طرح کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ امین کو چاہیے کو وہ امانت سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے، ہاں! اگر امین نے امانت دہندہ سے امانت میں رکھی ہوئی شئے سے استفادہ کرنے کی اجازت لے لی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر امین کے بے جا تصرف کی وجہ سے امانت میں نقصان ہوا ہے تو امین اس کا ذمہ دار ہوگا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں خیر القرون سے عصرِ حاضر تک پوری اُمتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ امانت میں رکھا ہوا مال یا سامان امین کے پاس بطور امانت ہوگا، چنانچہ اگر مال یا سامان امین کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہوگیا یا اس میں کچھ نقصان آ گیا تو امین پر کسی طرح کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اگر کسی شخص کے پاس امانت رکھی گئی تو وہ اس پر لازم نہیں ہوگئی، یعنی اگر امین کی کوتاہی کے بغیر امانت ضائع ہوگئی یا اس میں کچھ نقصان ہوگیا تو امین پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔‘‘ (سنن ابن ماجہ)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اگر امانت ضائع ہوجائے یا اس میں نقصان ہوجائے اور امین نے کوئی خیانت بھی نہیں کی ہے تو امین پر اس کا کوئی تاوان نہیں ہے۔‘‘ (ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’امانت دار پر امانت کے تلف یا اس میں نقصان ہونے پر کوئی تاوان نہیں ہے۔‘‘ (بیہقی)

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ امانت امین کے ہاتھوں میں بطور امانت ہوا کرتی ہے، یعنی اگر وہ امین کی کوتاہی کے بغیر ضائع ہوجائے یا اس میں کوئی نقصان ہوجائے تو امین پر اس کا کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے اور اس نے لوجہ اللہ امانت اپنے پاس رکھی ہے تو نقصان کی صورت میں امین کیوں ذمہ دار بنے گا؟! اگر امین کو ذمہ دار بنادیا گیا تو کوئی بھی امانت رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوگا، پھر سارے لوگ اس خیر خواہی کے عمل سے محروم ہوجائیں گے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مشہور ومعروف چاروں ائمہ اور دیگر محدثین ومفسرین وعلماء کرام کی بھی یہی رائے ہے۔ اگر امانت دہندہ یہ دعویٰ کرے کہ امین کے بے جا تصرف کی وجہ سے امانت ضائع ہوئی ہے تو جمہور علماء کی رائے ہے کہ امین سے قسم لی جائے گی کہ اس نے امانت میں کوئی زیادتی یا کوتاہی نہیں کی ہے۔ اور امین کے قسم کھانے پر اس کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا، اس لیے کہ وہ امین ہے، اللہ تعالیٰ نے ودیعہ کو امانت سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا اصل میں اس کو بری الذمہ ہی قرار دیا جائے گا، الا یہ کہ متعدد شواہد اس کے جھوٹ پر واضح طور سے دلالت کریں۔

خالقِ کائنات کے حکم سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم صادر فرمایا ہے جس میں معاشرہ کی خیر خواہی ہے، کیونکہ امین خدمتِ خلق کے لیے امانت کو اپنے پاس رکھتا ہے۔ اگر امین کو ضامن قرار دیا جائے تو لوگ امانت رکھنے سے ہی اجتناب کریں گے جس میں عام لوگوں کا ضرر ہے، نیز یہ عمومی مصلحتوں کے خلاف بھی ہے۔ تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ امانت میں رکھی ہوئی شئے کے منافع امانت دہندہ کو ہی ملیں گے، مثلاً جانور امانت میں رکھا تھا، بچہ کی ولادت ہوگئی، اسی طرح امانت میں رکھے ہوئے باغ کے پھل، نیز زمین امانت میں رکھی تھی اس کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا، وغیرہ، وغیرہ۔

امانت دہندہ (امانت گزار) اور امانت دار (امین) میں چند شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، جس میں بنیادی دو شرطیں یہ ہیں کہ دونوں عاقل اور بالغ یا باشعور ہوں۔ اگر امین کا انتقال ہوگیا تو اس کے ورثاء پر لازم ہے کہ امانت یعنی ودیعہ امانت دہندہ کو واپس کریں۔ امین کے کسی لمبے سفر پر جانے کی صورت میں امین کو چاہیے کہ وہ امانت امانت دہندہ کو واپس کرکے جائے، اگر اس وقت امانت دہندہ نہ ملے تو کسی شخص کو مکلف کردے کہ وہ امانت کو امانت دہندہ کے حوالہ کرے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان تمام امانتوں کو ان کے مالکین تک واپس

کرنے کی ذمہ داری دی تھی۔ ہاں! اگر امانت دہندہ امین کے سفر کے باوجود امانت کو اس کی امانت میں رکھنے پر راضی ہے تو کوئی حرج نہیں۔

امانت دہندہ کو چاہیے کہ امانت کی واپسی پر امین کا شکریہ ادا کرے، کیونکہ اس نے لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا کیا شکر ادا کرے گا؟!'' (ترمذی)

اگر امانت دہندہ امین کو کوئی ہدیہ بھی پیش کردے تو بہتر ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر تمہارے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ کرے تو تم اس کو کچھ اپنی طرف سے پیش کردو۔ اگر تمہارے پاس ہدیہ دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے تو تم اس کے لیے خوب دعائیں کرو۔'' (ابوداود)

دوسری جانب امانت دار کو اُس پر کوئی احسان نہیں جتانا چاہیے، بلکہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر یہ عملِ خیر کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے اس عملِ خیر کے قبول ہونے اور اس پر اجر و ثواب کی دعا کرنی چاہیے۔

جس طرح امانت میں رکھی شئے کی حفاظت کرنا امین کی ذمہ داری ہے، اسی طرح یہ دنیاوی فانی زندگی، مال و اولاد ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں، لہٰذا ہمیں ہمیشہ ان عظیم امانتوں کی صحیح ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کا بوجھ اُٹھالیا۔'' (سورۃ الاحزاب:۷۲)

اپنی اُخروی زندگی کی تیاری کے ساتھ اپنے بچوں اور ماتحتوں کے مرنے کے بعد کی زندگی کی بھی تیاری کی فکر کرنا ہماری ذمہ داری ہے، جس کے متعلق قیامت کے دن ہم سے پوچھا جائے گا۔ اگر ہم ملازمت کر رہے ہیں تو کام کے اوقات ہمارے لیے بطور امانت ہیں، لوگوں سے جو ہم عہد و پیمان کرتے ہیں، وہ بھی ہمارے پاس بطور امانت ہیں۔ اگر کسی شخص نے اپنے راز کی باتیں ہمیں بتائی ہیں تو وہ بھی ہمارے پاس بطور امانت ہیں، ان کا پورا کرنا ہماری شرعی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب امانتوں میں خیانت ہونے لگے تو بس قیامت کا انتظار کرو۔ (بخاری) اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''منافق کی تین علامتیں ہیں: ۱: جھوٹ بولنا۔ ۲: وعدہ خلافی کرنا۔ ۳: امانت میں خیانت کرنا۔'' (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امانتوں کی حفاظت کرنے والا بنائے اور ہمیں امانت دہندہ تک صحیح سالم امانت لوٹانے والا بنائے، آمین

سنتِ طیبہ اور علماء احناف کا استدلالی انداز

مفتی عبید الرحمٰن
مایار، مردان

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفی کے بارے میں آج کل نہیں، بلکہ ایک طویل عرصہ سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا قرآن وسنت کے ساتھ کچھ زیادہ ربط وارتباط نہیں ہے۔ دیگر فقہی مذاہب کی بنسبت اس مذہب میں نصوص کے ساتھ اعتناء کم پایا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر تمام مذاہب میں سے یہی وہ مذہب ہے جو کتاب وحدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اور بہت دور ہے۔

اس سوال کے تقریباً تمام تر پہلوؤں پر علمی وتاریخی کام ہوا ہے جو اپنی جگہ قابلِ لحاظ اور لائقِ قدر واحترام ہے، تاہم یہاں اس بات کا ایک اور نقطۂ نظر سے جائزہ لینا مقصود ہے، یہ زاویۂ فکر ایسا ہے جس پر کسی مستقل علمی کام کا تلاش کے باوجود ہمیں کوئی علم نہیں ہوسکا، جبکہ بظاہر یہ پہلو نہایت اہمیت اور توجہ کا متقاضی معلوم ہوتا ہے۔ یہاں جس پہلو سے اس پر گفتگو کرنا مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ اصولی لحاظ سے اس بات کا منصفانہ علمی جائزہ لیا جائے، جس کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ حنفی اصولِ اخذ واستنباط اور ضوابطِ فقہ واستخراج کو لے کر دیگر مذاہب کے اصول وقواعد سے اس کا مقارنہ اور موازنہ کرلیا جائے۔

تاہم اس موازنہ ومقارنہ کا یہ مقصود ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ دیگر مذاہب یا ان کے عالی مقام اور گراں قدر ائمہ مجتہدین کی مساعی کو غلط، بے وقعت یا بے سود ثابت کیا جائے، یہ تو کھلی ہوئی گمراہی کی چوکھٹ ہے، جہاں سے قدم بڑھاتے ہی گمراہی کے تاریک مکان میں انسان داخل ہوجاتا ہے، بلکہ مطلوب صرف یہ دکھانا ہے کہ جس طرح دیگر مذاہب سے متعلق یہ الزام عائد کرنا بجا طور پر غلط تصور کیا جاتا ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے دور ہیں، اسی طرح مذہبِ حنفی کے متعلق یہ فردِ جرم عائد کرنا بے جا اور بالکل بے جا ہے، جس سے احتراز کرنا علمی، اخلاقی اور سیاسی ہر سطح پر ضروری ہے۔

یہاں نمونے کے طور پر دس اصول وضوابط کا جائزہ لیا جاتا ہے جس میں اصولیین احناف اور دیگر

اصولیین یا محدثین کے موقف کا جائزہ لیا جائے گا کہ ان میں سے کس ضابطے کے تحت زیادہ سے زیادہ احادیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ (۱)

پہلا ضابطہ: مراسیل حجت ہیں یا نہیں؟

حنفیہ اور محدثین کی مرسل کی تعریف وتحدید میں رائے مختلف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک مرسل اسی کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی تابعی صحابیؓ کا واسطہ چھوڑ کر براہِ راست حضور ﷺ کی طرف حدیث منسوب کر کے بیان کرے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک مرسل میں جس طرح یہ صورت داخل ہے، یوں ہی اگر تابعی سے نچلے درجے کا راوی درمیان میں واسطہ چھوڑ دے، وہ بھی مرسل کے تحت داخل ہے۔ پھر مرسل حجت ہے یا نہیں؟ اس میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ قرونِ خیر کا مرسل قابلِ احتجاج ہے اور بعد کے ادوار میں ارسال کرنے والے کو دیکھا جائے، اگر وہ ثقہ ہو اور ثقہ ہی سے روایت کر رہا ہو تو اس کی روایت قبول ہوگی، ورنہ نہیں۔ محدثین مجموعی طور پر مرسل کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے۔ بعض اس کو مختلف شرائط کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

احادیث واخبار کے باب میں بلا مبالغہ سیکڑوں روایات ایسی ہیں جو مرسل ہیں، بلکہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ایک تہائی روایات مراسیل کے تحت داخل ہیں۔ اب جب حنفیہ کے نزدیک مرسل حجت اور قابلِ عمل ہے، تو لامحالہ ان سب روایات پر عمل ہوجائے گا اور جن محدثین کے نزدیک مرسل حجت نہ ہو، وہ ان روایات پر عمل کرنے سے قاصر اور معذور ہی ہوں گے۔

دوسرا ضابطہ: زیادتِ ثقہ کا حکم

اگر کوئی راوی سند یا متنِ حدیث میں کوئی ایسی اضافی بات نقل کرے جو دیگر روایت کرنے والے راوی نقل نہ کرتے ہوں، تو آیا یہ زیادت قبول ہوگی یا نہیں؟ اس میں اصولیین اور بعض محدثین کا اختلاف ہے، حنفیہ کا اس سلسلہ میں موقف یہ ہے کہ:

الف: سند میں زیادت مضر نہیں ہے۔

ب: متن میں اگر کہیں کسی ثقہ راوی کی جانب سے کوئی زیادت نقل ہوجائے تو اگر یہ زیادت اصل روایت کے ساتھ بالکل منافات رکھتی ہو اور دونوں کو یکجا جمع کرنے کی کوئی صورت میسر نہ ہو تو اس صورت میں ترجیح کے ضوابط کی طرف جایا جائے گا اور ان ہی کی روشنی میں کسی ایک جانب کو ترجیح دے دی جائے گی۔

ج: اگر ایسا تعارض نہ ہو تو پھر اگر معلوم ہوجائے کہ دونوں جانب کی روایات میں ایک ہی مجلس کی بات نقل کی جا رہی ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی ترجیح دینے کی ضرورت ہے کہ ایک مجلس میں دونوں قسم کی باتوں

کا احتمال مغلوب ہے۔

د: اگر مجلس کے ایک ہونے کا علم نہ ہوتو اس کو بھی قبول کردیا جائے گا۔

محدثین کے ہاں اس بارے میں متعدد آراء پائی جاتی ہیں کہ ثقہ راوی کی زیادت قبول ہوگی یا نہیں؟ جس کی تفصیل ''مصطلح الحدیث'' کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اب جن حضرات کے نزدیک زیادتِ ثقہ مطلقاً قبول نہیں ہے یا مشروط طور پر قبول ہو اور وہ شرائط درج بالا تفصیل کی بنسبت کم پائے جاتے ہیں، ان کے مقابلے میں احناف کے اصولِ حدیث کے مطابق زیادہ روایات پر عمل کی نوبت آجاتی ہے۔

تیسرا ضابطہ: مجہول راوی کی روایت کا حکم

محدثین کرام کے نزدیک حدیث کے قبول نہ کرنے کے متعدد اسباب میں سے ایک سبب راوی کی جہالت بھی ہے۔ راوی کی جہالت کا معیار و مدار کیا ہے؟ اس میں حنفیہ اور محدثین کی رائے مختلف ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جہالت میں راوی کی روایات کا اعتبار ہے، جس راوی سے ایک آدھ روایت ہی منقول ہو، وہ مجہول کہلاتا ہے، چاہے اس سے اخذ ونقل کرنے والے افراد زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ محدثین کے نزدیک اس کا معیار یہ ہے کہ اس سے روایت کرنے والے راوی کم ہوں، اگر ایک ہی راوی اس سے روایت کرتا ہے تو وہ مجہول العین ہوگا اور اگر اس سے زیادہ راوی نقل کرتے ہوں، لیکن اس کی عدالت وثقاہت معلوم نہ ہو تو وہ مستور کہلائے گا۔

پھر مجہول راوی کی روایت کا کیا حکم ہوگا؟ تو محدثین کرام کے نزدیک راوی کا مجہول ہونا اس کی روایت کے نامقبول ہونے کا باعث ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ قرونِ ثلاثہ میں اگر کوئی راوی مجہول ہو، لیکن سلف نے اس پر طعن نہ کیا ہو تو اس کی روایت قابلِ احتجاج ہے، اور اگر علماءِ سلف نے اس کی روایات میں کوئی جرح یا اختلاف کیا ہو، یا اس کی روایت اس زمانے میں بالکل ہی مشہور نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں بھی اس کی روایت بالکل رد نہ ہوگی، بلکہ قیاس کے موافق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور قرونِ ثلاثہ کے بعد چونکہ فسق وکذب عام ہونے لگا تھا، اس لیے اس کے بعد اگر مجہول راوی کی روایت قابلِ استدلال واحتجاج نہیں ہے۔

اس ضابطہ کے مطابق وہ تمام روایات، جن میں مجاہیل راوی موجود ہوں اور ان کا تعلق قرونِ ثلاثہ سے ہو (جیسا کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے)، داخل ہوجاتے ہیں اور حنفیہ کے ضابطے کے مطابق وہ قابلِ احتجاج ثابت ہوجاتے ہیں، جبکہ دیگر محدثین کرام کے ہاں ایسی تمام روایات ناقابلِ قبول بن جاتی ہیں۔

چوتھا ضابطہ: قراءاتِ غیر متواترہ

شوافع وغیرہ بہت سے محدثین کا موقف یہ ہے کہ جو قراءت متواتر نہ ہو، وہ شرعاً حجت نہیں ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک ایسی تمام قراءات بھی حجت ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور ان سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، شرط یہ ہے کہ وہ اسنادی طور پر ثابت ہو، گو خبر واحد کے طریق ہی پر کیوں نہ ہو۔

اس ضابطہ کی وجہ سے حنفیہ متعدد قراءات پر عمل کر لیتے ہیں، گو تواتر کے ساتھ ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو قرآن نہیں سمجھتے، جبکہ دیگر محدثین اس پر عمل نہیں کرتے۔

پانچواں ضابطہ: حدیث کی وجہ سے آیت کو منسوخ سمجھنا

اگر کوئی حدیث متواتر کا قرآن کریم کی کسی آیت سے تعارض پیدا ہو جائے اور نسخ کے بغیر اس تعارض کے حل کرنے کا کوئی طریق موجود نہ ہو، تو اس صورت میں جس طرح آیتِ کریمہ کی وجہ سے حدیث کو منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے، یوں ہی حدیث کی وجہ سے آیتِ کریمہ کو بھی منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے، ناسخ ومنسوخ کی علامات کو دیکھا جائے گا اور جہاں ناسخ ہونے کا کوئی قابلِ اعتماد قرینہ موجود ہو، اسی کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ سمجھا جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ آیتِ کریمہ سے محض تعارض قائم ہونے کی وجہ سے حدیث کو منسوخ سمجھنا درست نہیں ہے۔ یہ حنفیہ کا موقف ہے، جبکہ شوافع اور بہت سے محدثین کا مسلک یہ ہے کہ: حدیث کی وجہ سے آیت کو منسوخ سمجھنا درست نہیں ہے، اور جہاں کہیں ایسا تعارض دکھائی دے، وہاں بہرحال حدیث ہی کو رد کر دیا جائے گا۔

اس ضابطہ کی بنا پر بھی حنفیہ ایسے متعدد روایات پر عمل کر سکتے ہیں، جن کو دیگر ائمہ محدثین قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

چھٹا ضابطہ: قولِ صحابیؓ کی حجیت کا مسئلہ

اگر کسی صحابیؓ سے کوئی ایسا قول منقول ہو جس میں رائے واجتہاد کا دخل نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک ایسا قول بھی حجت ہے، جس سے شرعی احکام بھی ثابت ہو سکتے ہیں، اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جب عقل وقیاس کا دخل نہیں ہے تو ضرور یہ حضور ﷺ سے ہی سنا ہوگا، اسی بنیاد پر فقہائے احناف اس کو ملحق بالسنۃ کہتے اور سمجھتے ہیں، جبکہ شوافع وغیرہ بہت سے محدثین کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے۔

یہ ضابطہ بھی ایسا ہے جس کی بنا پر حنفیہ کو بیسیوں ایسی روایات پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے جن کو دیگر بہت سے محدثین ناقابلِ احتجاج گردانتے ہیں۔ (۲)

ساتواں ضابطہ: قواعدِ عامہ کی پابندی کرنا

اگر کوئی خبر واحد دین وشریعت کے عام قواعد اور ضوابط کے خلاف ہو تو حنفیہ کے نزدیک ایسی روایت قابلِ عمل نہیں ہوتی اور محض اس ایک خبر کی وجہ سے ان قواعد کو چھوڑنا درست نہیں ہوتا جو دسیوں نصوص سے مستنبط ومستفاد ہوتے ہیں۔ یہی وہ ضابطہ ہے جس کی وجہ سے فقہائے حنفیہ سمیت فقہاء ومجتہدین پر طعن وتنقید کے نیزے چھوڑے جاتے ہیں۔ علامہ البانی وغیرہ حضرات نے حنفیہ کو جن مسائل پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ حدیث کے خلاف ہیں، ان میں سے تقریباً چوتھائی یا تہائی ان روایات کی ہے جن کو حنفیہ نے اسی ضابطہ کے تحت قابلِ احتجاج نہیں گردانا۔

انصاف وعقل مندی سے کام لے کر غور کیا جائے تو اس ضابطہ کی وجہ سے فقہائے کرام کا احادیث وروایات پر عمل کرنا کم نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ ثابت ہوتا ہے، اس ضابطہ کی پابندی کی وجہ سے ان پر یہ فردِ جرم عائد نہیں ہوتا کہ وہ محض رائے کی وجہ سے صحیح روایات واخبار کو رد کردیتے ہیں، بلکہ زیادہ روایات پر عمل کرنے کی وجہ سے ان کو داد دینی چاہیے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جن چیزوں کو قواعدِ عامہ کی فہرست میں شامل کرتے ہیں، وہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ایک دو، یا تین چار روایات سے مستفاد نہیں ہوتی، بلکہ بیسیوں نصوص اس پر دلالت کررہی ہوتی ہے اور انہی نصوص کی روشنی میں اس کا استخراج واستنباط کیا جاتا ہے، اب جب کوئی خبر واحد ایسے قاعدے کے خلاف آجائے اور گو وہ اسنادی لحاظ سے صحیح یا حسن بھی ثابت ہوجائے تو بھی اس پر عمل کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اس ایک روایت کی وجہ سے بیسیوں نصوص کے مقتضا پر عمل کرنا چھوڑ دیا جارہا ہے۔

اس کے بالمقابل اگر ان قواعدِ عامہ کو مضبوطی سے تھامے رکھا جائے اور خبر واحد کو اس کے علاوہ کسی ممکنہ محمل پر حمل کرلیا جائے تو دونوں قسم کے نصوص پر عمل کرنے کی نوبت آجاتی ہے اور حنفیہ عام طور پر ایسا ہی کرتے ہیں، اور اگر کہیں ایسے معارض خبر واحد کو بالکل بھی قابلِ احتجاج نہ قرار دیا جائے تو بھی یہ حدیث پر عمل چھوڑنا نہیں ہوگا، بلکہ حدیث کے ثابت ہونے سے انکار کرنا ہے۔

آٹھواں ضابطہ: قیاس سے استنباط واستفادہ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ متعدد اہلِ علم نے حنفیہ کے متعلق یہ صراحت کی ہے کہ وہ قیاس کے مقابلہ میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنے کے قائل اور اس پر عامل ہیں اور اس کی متعدد مثالیں بھی ذکر فرمائی ہیں، لیکن بظاہر یہ بات اصول کے خلاف معلوم ہوتی ہے اور جن احادیث سے استدلال کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے، ان کا یا تو واحد مستدل ہونا یقینی نہیں ہے اور یا ان کا ضعیف ہونا اتفاقی نہیں ہے، چنانچہ یہ بھی ضابطہ ہے کہ مجتہد کا کسی

حدیث سے استدلال کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح یا کم از کم حسن لغیرہٖ ہے، کیونکہ اس سے نچلے درجے کی روایت شرعی احکام ومسائل کے ثابت کرنے میں حجت نہیں ہے، جبکہ شرعی قیاس کا حجت ہونا تقریباً تمام اہلِ حق کے نزدیک ایک اتفاقی مسئلہ ہے، لہٰذا ایک اتفاقی حجت کو غیر حجت (ضعیف حدیث) کی خاطر چھوڑنا کہاں درست ہوسکتا ہے؟!

بہرحال حنفیہ کا ضابطہ یہی ہے کہ حدیث ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہو تو قیاس کی طرف جاتے ہیں اور وہیں سے شرعی احکام کا استنباط واستخراج کرتے ہیں، جبکہ بعض محدثین اور منکرینِ قیاس اس بات کی تحقیق میں پڑے بغیر روایت پر عمل کرتے ہیں۔ اس ضابطے کے مطابق بھی حنفیہ کا زیادہ روایات ونصوص پر عمل کرنا ثابت ہوجاتا ہے، کیونکہ خود قیاس کی حجیت بیسیوں نصوص سے ثابت ہے تو ایسے موقع پر قیاس کی طرف جانا اور اصول کی روشنی میں اس کے ذریعے شرعی احکام کا استنباط کرنا ان تمام نصوص پر عمل کرنے کے مترادف ہے جو قیاس کی حجیت پر دلالت کرتے ہیں، جبکہ اس کے بالمقابل اگر روایت کو لیا جائے تو ان روایات پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آتی۔

اس اجمالی اور مختصر جائزے سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے اصولِ فقہ کی رو سے زیادہ سے زیادہ احادیث وروایات پر عمل کرنے کی نوبت آجاتی ہے اور ان پر یہ الزام لگانا کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے سمجھنے یا اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں قصداً کوتاہی وغفلت کرتے ہیں یا محض اپنی رائے وخیال کی بنیاد پر صحیح احادیث کو بھی رد کردیتے ہیں۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

’’وأصحابنا هم المتمسكون بالسنة والرأي في الحقيقة فقد ظهر منهم من تعظيم السّنة ما لم يظهر من غيرهم ممّن يدعي أنه صاحب الحديث، لأنهم جوزوا نسخ الكتاب بالسنة لقوّة درجتها وجوزوا العمل بالمراسيل وقدموا خبر المجهول على القياس وقدموا قول الصّحابيّ على القياس، لأن فيه شبهة السماع من الوجه الّذي قررنا، ثمّ بعد ذٰلك كله عملوا بالقياس الصّحيح وهو المعنى الّذي ظهر أثره بقوته. فأما الشّافعي رحمه الله حين لم يجوز العمل بالمراسيل فقد ترك كثيرا من السّنن وحين لم يقبل رواية المجهول فقد عطل بعض السّنة أيضا وحين لم ير تقليد الواحد من الصّحابة فقد جوز الإعراض عمّا فيه شبهة السماع .. وتبين أن أصحابنا هم القدوة في أحكام الشّرع أصولها وفروعها وأن بفتواهم اتّضح الطّريق للنّاس إلّا أنه بحر عميق لا يسلكه

كل سابح ولا يستجمع شرائطه كل طالب، والله الموفق .''(۳)

ترجمہ: ''ہمارے ائمہ حنفیہ ہی سنت اور قیاس پر عمل کرنے والے ہیں، کیونکہ جو لوگ احادیث پر عمل کا دعویٰ کرتے ہیں، ان سے زیادہ ہمارے ائمہ حضرات سنت اور احادیث کی قدر کرتے ہیں، کیونکہ ہم ہی بعض آیاتِ قرآن کو حدیث کے ذریعے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، مرسل روایات کو قابلِ احتجاج سمجھتے ہیں، مجہول راوی کی روایت کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، صحابیؓ کے قول کو قیاس پر مقدم جانتے ہیں، کیونکہ اس میں سماع کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم قیاس صحیح کو بھی قابلِ عمل سمجھتے ہیں، جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''مرسل'' قابلِ احتجاج نہیں، اس قاعدہ کی بنیاد پر بہت سی روایات متروک ہوئیں، نیز مجہول راوی کی روایت معتبر نہ سمجھنے کی وجہ سے بھی بہت سی روایات نا قابلِ عمل رہیں، نیز جب وہ اکیلے صحابیؓ کے قول کو قابلِ تقلید اور حجت نہیں سمجھتے تو ان کے نزدیک بالضرور بعض وہ اقوالِ صحابہؓ جن میں سماع کا شبہ ہو وہ قابلِ احتجاج نہ رہی۔ بہر حال ائمہ حنفیہ ہی اصولی اور فروعی مسائل میں لوگوں کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے فتاویٰ سے ہی لوگوں کو دینی رہنمائی ہوتی ہے، البتہ فقہ حنفی کی مثال ایک گہرے سمندر کی ہے جس میں ہر غوطہ زن غوطہ نہیں لگا سکتا اور اس راستے کی شرائط پوری کرنا ہر طالب کا کام نہیں۔''

حضرت مجدد صاحبؒ کی رائے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سنت کی پیروی میں سب سے آگے ہیں، حتیٰ کہ احادیثِ مرسلہ کو احادیثِ مسند کی طرح متابعت کے لائق جانتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم کرتے ہیں اور ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کو حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ صحبت کے باعث اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں، دوسروں کا حال ایسا نہیں ہے، اس کے باوجود بھی مخالفین ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ایسے ایسے الفاظ ان کی جانب منسوب کرتے ہیں جو بے ادبی کی خبر دیتے ہیں۔''(۴)

حضرت شاہ صاحبؒ کا مکاشفہ

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''فیوض الحرمین'' کے مشاہدات میں سے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

’’عرّفني رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أنّ في المذهب الحنفي طريقة أنيقة هي أوفق الطّرق بالسنّة المعروفة التّي جُمعت ونقّحتْ في زمان البخاريّ وأصحابه.‘‘(۵)

ترجمہ: ’’حضور ﷺ نے مجھ کو سمجھایا کہ مذہبِ حنفی میں ایک ایسا بہتر راستہ موجود ہے جو تمام طرق میں سب سے زیادہ ان احادیث کے موافق ہے جن کی جمع وتدوین امام بخاریؒ اور ان کے اصحاب کے زمانے میں ہوئی تھی۔‘‘(۶)

چند ضروری نکات

ائمہ مجتہدین تو بہت بلند مرتبے کی حامل دیدہ ور شخصیات ہیں، کوئی عام سچا مسلمان بھی یہ اقدام نہیں کرسکتا کہ حدیث سے عناد رکھے یا قصداً کسی حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دے، اس لیے ائمہ مجتہدین اور بالخصوص مذاہبِ اربعہ متبوعہ کے مجتہدین سے متعلق یہ تصور کرنا اونچے درجے کی بدگمانی ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے۔

بعض اوقات جو اس طرح کی بات سامنے آجاتی ہے کہ مثال کے طور پر کسی مذہب کا کوئی مسئلہ کسی روایت کے ظاہر کے بالکل خلاف اور اس سے واضح طور پر متصادم معلوم ہوجائے تو وہاں بھی جلد بازی سے کام لے کر فیصلہ کرنا بالکل مناسب نہیں ہے، بلکہ درج ذیل نکات کو سامنے رکھ کر انصاف، دیانت داری اور اعتدال کے ساتھ غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ جس مجتہد نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کیا، وہ اس سلسلہ میں بالکل معذور ہے اور اس کی تحقیق واجتہاد سے اگر کسی کا اختلاف بھی ہے تو بھی اس کی وجہ سے اس کو نہ حدیث کا دشمن گرداننا درست ہوسکتا ہے اور نہ ہی روایات کے مقابلہ میں اتباعِ ہویٰ کا عادی خیال کرنا جائز ہے۔ وہ نکات یہ ہیں:

پہلا نکتہ

بعض اوقات یہ جو دیکھنے میں آتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کسی روایت پر عمل نہیں کرتے تو اس کی مختلف وجوہات واعذار ہوتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مفید رسالہ رکھا ہے، اس میں ائمہ مجتہدین کے ترکِ عمل بالحدیث کے دس اسباب ذکر فرمائے ہیں، ان دس اعذار کو گنوانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

’’فهٰذه الأسباب العشرة ظاهرة، وفي كثير من الأحاديث يجوز أن يكون للعالم حجة في ترك العمل بالحديث لم نطلع نحن عليها؛ فإن مدارك العلم واسعة ولم نطلع نحن على جميع ما في بواطن العلماء. والعالم قد يبدي حجته وقد لا يبديها، وإذا أبداها فقد تبلغنا وقد لا تبلغنا وإذا بلغتنا فقد ندرك

موضع احتجاجه وقد لا ندركه سواء كانت الحجة صواباً في نفس الأمر أم لا.“(۷)

ترجمہ:”(کسی روایت پر عمل نہ کرنے اور اسے قابلِ استناد نہ سمجھنے کی) یہ دس ظاہری وجوہات ہیں۔ دیگر بہت سی روایات قابلِ استناد نہ سمجھنے کے بارے میں کسی عالم کے لیے ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں، جو شاید ہمیں معلوم نہ ہوں، کیونکہ علم کے ذرائع بہت ہیں۔ اور علماء کے دلوں میں جو باتیں ہیں، ہم ان سب پر مطلع نہیں ہوسکتے۔ اہلِ علم بسا اوقات اپنی دلیل کا اظہار کرتے ہیں، بعض دفعہ نہیں، اور جو ذکر کرتے ہیں وہ باتیں کبھی ہم تک صحیح صورت میں پہنچتی ہیں، کبھی نہیں، ان کی جو دلیل ہم تک پہنچے، خواہ وہ دلیل درحقیقت درست ہو یا غلط، کبھی تو ہم اس کی جانچ پڑتال کرسکتے ہیں، بسا اوقات نہیں۔“

معلوم ہوا کہ مجتہد جب بھی اجتہاد کرتا ہے تو شرعی دلائل کی روشنی ہی میں کرتا ہے اور اگر وہ کسی روایت سے استدلال نہیں کرتا یا اس کے خلاف موقف اپناتا ہے تو اس کے پاس بھی کچھ شرعی دلائل ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ اس طرح اقدام کرتا ہے، وہ دلائل اگر کسی دوسرے صاحبِ علم و اہلِ اجتہاد کے نزدیک کمزور بھی ہوں تو بھی اس جہاں میں اجتہادی مسائل میں حق و باطل کا یقینی فیصلہ کرنا مشکل ہے، لہٰذا کسی کو ایک ہی موقف کا پابند بنانا حد سے تجاوز اور بابِ اجتہاد کا دروازہ بند کردینے کے مترادف ہے۔

دوسرا نکتہ

حدیث کے حدیث ہونے کا انکار کرنا اور ہے اور حدیث ماننے اور تسلیم کرنے کے باوجود اس پر عمل نہ کرنا اس سے بالکل مختلف اور الگ چیز ہے۔ اب اگر کوئی مجتہد حدیث پر عمل کرنے کے لیے کچھ شرائط وضوابط مقرر کرتا ہے اور وہ شرائط اس کے اجتہادی ذوق کے مطابق ضروری ہوں اور پھر کوئی حدیث ان ضوابط کے مطابق پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے تو اس صورت میں یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ فلاں مجتہد فلاں حدیث پر عمل نہیں کرتا، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس کے نزدیک وہ نقل پایۂ ثبوت کو نہ پہنچنے کی وجہ سے حدیث ہے ہی نہیں۔

تیسرا نکتہ

کسی بھی مستند عالم کا یہ موقف نہیں ہے کہ جو بھی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرکے کہی جائے، وہ حدیث ہے اور اس پر عمل کرنا بہر حال ضروری ہے، بلکہ محدثین کرام ہوں یا فقہاء عظام، دونوں حضرات کے نزدیک اس کے لیے کچھ شرائط وضوابط مقرر ہیں جن پر جانچ پرکھ کر وہ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ فلاں بات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے روایت کی جارہی ہے، وہ واقعۃً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے یا نہیں؟ اس نوعیت

کی جو شرائط اور ضوابط مقرر کیے گئے ہیں، وہ تمام منصوص نہیں ہیں، بلکہ ہر جماعت کے علمی واجتہادی ذوق کا نتیجہ ہیں اور اس میں اختلاف کا ہونا نہ بعید ہے اور نہ مذموم، لہٰذا جس طرح محدثین کی شرائط پر پورا نہ اُترنے والی روایت پر عمل چھوڑنا حدیث پر عمل نہ کرنے کے مترادف نہیں ہے، یوں ہی فقہاء کرام کو بھی اس بات کا حق حاصل ہے اور ان کے ضابطہ کے مطابق اگر کوئی روایت پایۂ ثبوت واحتجاج تک نہیں پہنچتی تو اس پر عمل نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی خبرِ واحد کا شرائطِ قبول پر پورا نہ اُترنا اور اس کی وجہ سے اس پر عمل نہ کرنا ''ردِ حدیث'' نہیں کہلاتا، جس طرح تواتر کا انکار، قرآنیت کا انکار، قطعیت کا انکار؛ متواتر، قرآن اور قطعی کا انکار نہیں کہلاتا، یوں ہی ضابطۂ ثبوت پر پورا نہ اُترنے والی روایت پر عمل نہ کرنا حدیث پر عمل نہ کرنے کے مترادف نہیں ہے۔

چوتھا نکتہ

جس طرح ثابت شدہ حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس میں کوتاہی کرنا روا نہیں ہے، یوں ہی غیر ثابت شدہ نقل کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھنا اور اس کو شرعی حجت کا درجہ دے کر احکام کا استنباط کرنا بھی نہایت نزاکت کا حامل ہے اور اس میں بھی تغافل برتنا جائز نہیں ہے، دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

پانچواں نکتہ

یوں تو ہر مسلمان پر حسنِ ظن رکھنے کی تعلیم وہدایت کی گئی ہے اور بلاوجہ کسی مسلمان پر بھی بدگمانی کرنا درست نہیں ہے، لیکن ائمہ مجتہدین اور حضرات اہلِ علم کے ساتھ بالخصوص اس بات کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اور مسلمان ہونے کے ناطے اس سے بڑا جرم کیا ہوسکتا ہے کہ حدیث کو حدیث سمجھنے کے باوجود محض اتباعِ ہویٰ جیسے عناصر کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے یا بلاوجہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کردے، اس لیے اگر کسی مجتہد کا کوئی ایسا اجتہاد سامنے بھی آئے جو بظاہر کسی روایت سے متعارض ہو، تو بھی ان کے بارے میں بدگمانی سے بچنا اور بچتے رہنا ضروری ہے۔

یہ چند باتیں ہیں جن پر اگر انصاف اور دیانت داری کے ساتھ غور وفکر کیا جائے اور عملی طور پر اس کا اچھی طرح اہتمام کیا جائے تو اُمید ہے کہ مفید ثابت ہوں گی اور بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

حواشی وحوالہ جات

۱- یہاں اجمال واختصار کو پیش نظر رکھ کر چند اصولی نکات کا ذکر کرنا مقصود ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ علم اصولِ فقہ وحدیث کا کوئی متخصص اس کو مستقل تالیف ومقالہ کا موضوع بنائے اور حنفیہ کے اصولِ اخذ واستنباط کے ساتھ ساتھ محدثین اور دیگر مذاہبِ متبوعہ کے اصول کو

لے کر مقارنہ کیا جائے اور ساتھ ان روایات کا بھی اپنی حد تک استقراء وتتبع کرے جو ان ضوابط پر عمل کرنے کی صورت میں زیرِ عمل آ جاتے ہیں، تا کہ بات پوری طرح منقح اور صاف ہوجائے۔ البتہ موضوع چونکہ اہمیت کے ساتھ ساتھ نزاکت کا بھی حامل ہے، اس لیے قدم قدم پر پورے ادب واحترام کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے کہ بحث ومناقشے کے دوران حضرات محدثین کرام اور دیگر ائمہ مجتہدین کی شان میں کوئی نازیبا لفظ سامنے نہ آئے۔

۲- یہاں مکرر یہ عرض ہے کہ اس سے شوافع یا دیگر محدثین پر ردوقدح یا جرح وتعریض کرنا ہرگز مقصود نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے رکھے اور ائمہ دین کے ساتھ دل وجان سے ادب کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ وہ حضرات ان روایات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار یا مطعون نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنے اجتہادی ذوق کے مطابق ان جیسے امور کو حدیث سمجھتے ہی نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس میں کسی فریق پر ردوقدح کرنا کسی طرح روا نہیں ہے۔

۳- أصول السرخسي: ۲/ ۱۱۳

۴- مکتوبات، دفترِ دوم، مکتوب نمبر: ۵۵

۵- فیوض الحرمین، ص: ۴۸

۶- یہاں اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ بعض مترجمین حضرات نے نہ جانے اس عبارت کا ترجمہ کیوں اس ڈھنگ سے کیا ہے جس کی بدولت عبارت کا اصل مقصود ہی واضح نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس مفہوم مترشح ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے فقہ حنفی سے بلا وجہ ایک قسم کا ذہنی یا عملی بعد پیدا ہوجاتا ہے۔

۷- رفع الملام عن الأئمة الأعلام، ص: ۳۵

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا فقہی مقام ومرتبہ!

مولانا محمد نعمان خلیل
متخصصِ علومِ حدیث، جامعہ

اسلامی تعلیمات کے اصولی مآخذ قرآن کریم، اور حدیث شریف کو بعینہٖ مکمل امانت داری کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا نام روایت ہے، اور ان مآخذ میں سموئے ہوئے موتی، اور جواہرات کو نکالنے، مقصدِ کلامِ الٰہی (عزوجل)، اور مرادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل اِدراک کو فقاہت کہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرح روایت کے باب میں سب سے اعلیٰ معیار پر قائم ہیں، اسی طرح فقاہت کے باب میں بھی ان کا کوئی مثل نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دینی، عملی، اور علمی تربیت کی، وہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقہی تربیت بھی فرمائی۔

عہدِ رسالت میں فقہی تربیت کا نمونہ

مرفوع حدیث کی اقسام میں ایک قسم تقریری ہے، اور یہ تقریر فقہی تربیت کا اہم ترین عنصر اور جزء ہے، جس کا عام فہم مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض حالات میں اپنی صواب دید پر، موقع محل کے مناسب کوئی عمل کر لیتے، پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کرتے، جو عمل اسلامی روح، اور مرادِ شریعت کے عین موافق ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصویب فرماتے، سب کے سامنے حوصلہ افزائی فرماتے، اور جب اس کے خلاف کوئی عمل سامنے آتا تو برملا براءت فرما دیا کرتے۔ مسبوق شخص کس طرح اپنی نماز پوری کرے گا؟ یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (متوفی: ۱۸ھ) کے عمل سے معلوم ہوا، ان کے اس اجتہادی عمل کی نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی، بلکہ ان کے اس عمل میں ان کی پیروی کا حکم دیا۔ (۱)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے میدانِ جنگ میں ایک نو مسلم شخص قتل ہو گیا، یہ ان کا اجتہاد تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا ان کے اس عمل سے براءت کی، اور برملا اعلان اس لیے تھا، تاکہ کوئی ان کی اس خاص عمل

میں اقتداء نہ کرے۔ (۲)

یہ فقہی تربیت کا ایک نمونہ ہے، اور فقہی تربیت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے یہ ضروری تھا، کچھ معاملات میں قرآن، اور شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہیں، اور دین اسلام کے اولین علمبردار صادقین ومتقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی نو وارد حادثہ، اور مسئلہ کا شکار ہوکر موجودہ ذخیرۂ علم کو سامنے رکھ کر اپنے غور وفکر سے کوئی عمل کر گزریں، اور شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر خاموشی اختیار کریں، یا تصویب، اور حوصلہ افزائی فرمائیں، یا پھر اس سے روک دیں۔

دین کا ایک بڑا حصہ تقریراتِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے ثابت ہے، کئی عبادات ومعاملات اور شرعی احکام تقریراتِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی روشنی میں ہم تک پہنچے ہیں، اور چونکہ تقریراتِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقاہت وفہم شریعت کے کامل ادراک پر کھلی دلیل ہے، جس سے فقہاء صحابہؓ کی پیروی کرنا بھی لازم آتا ہے، تو ائمہ مجتہدین کی فقہی خدمات کو بھی خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیے، اور ان کی اتباع کو اپنی نجات کا ذریعہ گردانا چاہیے، کیوں کہ جس طرح روایت کے باب میں اولین سہرا اولین مخاطبین کے سر پر ہے، اور اس کے بعد یہ نصیب محدثین کرام کو حاصل ہوا ہے، اور ان کی روایت کو دینی امور میں اس طرح قبول کرنا، جس طرح صحابیؓ کی روایت کو قبول کرنا ضروری ٹھہرا ہے، تو اسی طرح فقاہت واجتہاد بھی موروثی ہے، جس طرح صحابیؓ کے اجتہاد کے اتباع کا حکم ہے، اسی طرح ائمہ مجتہدین کی فقاہت کا اتباع بھی مطلوب ہے۔

عہدِ صحابہؓ وتابعینؒ میں فقہی تربیت کی مثال

اگر دل میں یہ خیال گزرے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقاہت کی تربیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی؛ اسی لیے ان کے اجتہاد کو قبول کیا گیا ہے، جبکہ ائمہ مجتہدین کی فقاہت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے نہیں گزری؟!

تو ہرگز اس خیال کو دل میں نہیں پنپنے دینا چاہیے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح فقہی تربیت کر کے صحابہؓ کو فقیہ بنایا، اسی طرح انہیں فقہی تربیت کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صغار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کی فقہی تربیت فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ مشاورتی مجالس میں رکھنا، ان کی فقہی تربیت کا حصہ تھا، اسی طرح بعض تابعین نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس رہ کر فقہی تربیت پائی، جیسے سعید بن المسیبؒ (متوفی: ۹۴ھ) نے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (متوفی: ۵۹ھ) کی خدمت میں، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۶۲ھ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (متوفی: ۳۲ھ) کی خدمت میں رہ کر فقاہت کا درس لیا، اور مدینہ کے فقہاء سبعہ نے بھی فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تربیت پائی تھی، یہی سلسلہ چلتا ہوا ائمہ متبوعین تک پہنچتا ہے، جس دلیل وحکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فقاہت واجتہاد کا اتباع لازم ہے، اسی حکم

سے ائمہ متبوعین کے اجتہاد کا اتباع ضروری ہے۔ انہی تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک نام عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی واقعہ فیل کے دس سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدائش ہوئی۔ دارِ ارقم کے قیام سے کچھ قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ مدینہ منورہ کے نامور تاجروں اور غنی و مالدار صحابہؓ میں شمار ہوتا ہے۔ تمام غزوات میں شرکت کی، سریہ دومۃ الجندل میں لشکر کے امیر مقرر کیے گئے۔ سخاوت وضیافت میں مشہور ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کی سپردگی کا کام جن چھ صحابہؓ کے ذمہ لگایا تھا، ان میں ایک نام آپؓ کا تھا، بعد ازاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا حتمی فیصلہ آپ ہی نے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے بعد امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی ذمہ داری آپؓ کے سپرد فرمائی۔ فقہاءِ سبعہ میں حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ (۳)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی فقاہت ائمہ کے اقوال کی روشنی میں

ابن القیم الجوزیہؒ (۷۵۱ھ) ’’إعلام الموقعین عن رب العالمین‘‘ میں فرماتے ہیں کہ: ۱۳۰ سے زائد صحابہ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن سے فتاویٰ محفوظ کیے گئے ہیں، اور فقہاءِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تین طبقے نقل کیے ہیں:

① المکثرون من الفتیا:

جن سے بہ کثرت فتاویٰ منقول ہیں، اس طبقہ میں سات لوگوں کا شمار ہوتا ہے: عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عائشہ ام المومنین، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ: ان میں ہر صحابیؓ کے فتاویٰ پر ایک ضخیم کتاب جمع کی جاسکتی ہے۔

② المتوسطون في الفتیا:

جس میں ۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شمار کیا گیا ہے، حضرت ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان، ام سلمہ ام المومنین، ابوہریرہ، ابوسعید الخدری، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی جابر بن عبداللہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں

کہ: ان میں سے ہر صحابیؓ کے فتاویٰ کو ایک مختصر رسالہ میں جمع کرنا ممکن ہے۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ: اسی طبقہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ اور کچھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

③ المقلون من الفتیا:

جن سے بہت کم فتاویٰ منقول ہیں، ان کے ناموں کی ایک طویل فہرست ہے۔ (۴)

علاوہ ازیں ابن سعدؒ (متوفی: ۳۲۰ھ) نے طبقات میں (۵)، ابن الجوزیؒ (متوفی: ۵۹۷ھ) نے تلقیح الفهوم میں (۶)، حافظ ابن حجرؒ (متوفی: ۸۵۲ھ) نے الإصابة میں (۷)، عبدالحی الکتانیؒ نے التراتیب الإداریة (۸) میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہؓ میں کیا ہے جو عہدِ رسالت میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فقہی استنباطات

① آپؓ کا امامت کے لیے آگے بڑھنے کا استشہاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق

آپؓ کی فقاہت پر سب سے بڑی، اور پہلی دلیل غزوۂ تبوک کے سفر کا وہ واقعہ ہے، جس میں آپؓ نے فجر کی نماز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی امامت کرائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا فرمائی۔ (۹)

اس واقعہ کی تین دفعات سے آپؓ کی فقاہت ثابت ہوتی ہے:

❶: وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے امامت کے لیے آگے پیش ہونا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ قافلہ سے جدا ہو کر قضاءِ حاجت کے لیے گئے ہوئے تھے، جس سے لوٹنے میں تاخیر ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا انتظار کیا، مگر نماز کا وقت ہوجانے کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ کیا، ایسے وقت میں یہ فیصلہ لینا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی اور امام بنے، یقیناً مشکل ترین فیصلہ تھا، خاص طور پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد متوقع بھی ہو، تاہم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنی فقہی بصیرت کی بنیاد پر آگے بڑھے، اور امامت کرائی۔

❷: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ کی امامت پر متفق ہونا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی کی امامت پر متفق ہوسکتے تھے جو علم وعمل اور فقاہت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہوں۔

❸: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اقتدا کرنا، آپ کی امامت کو برقرار رکھنا، علاوہ ازیں آپ کی تائید میں یہ جملہ فرمانا:

’’ما قبض نبي قط حتى يصلي خلف رجل صالح من أمته. ‘‘(۱۰)

’’کوئی نبی اس وقت تک دارِ فانی سے کوچ نہیں کرتا، جب تک اپنی امت کے کسی نیک آدمی کی اقتدا میں نماز نہ پڑھ لے۔‘‘

۲ تعیینِ حد میں آپؓ کا استنباط

حدودِ شرعیہ: وہ سزائیں کہلاتی ہیں جو کسی معاشرتی، اور اخلاقی و کرداری بے راہ روی کی روک تھام کے لیے شریعت کی جانب سے مقرر کی گئی ہوں، جیسے حدِ زنا، حدِ سرقہ وغیرہ۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب شراب نوشی ہے، گو کہ زمانۂ جاہلیت میں شراب بکثرت پی جاتی تھی، مگر شریعت کی تدریجی تربیت کی وجہ سے اس کی شناعت دلوں میں بیٹھ گئی، تاہم پھر بھی کسی سے یہ جرم سرزد ہو جاتا تو کوئی مقرر حد نہیں تھی، بلکہ حسب حال کسی کو چالیس کوڑے مار دیئے جاتے، یا اس سے کم کوئی سزا دے دی جاتی۔ عہدِ صدیقی میں چالیس کوڑے مارے جاتے، لیکن جب حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا اور اسلامی قلمرو میں فتوحات کی بنیاد پر مسلسل اضافہ ہونے لگا تو اطراف کے مسلمانوں کی شراب سے قربت بڑھ گئی، شراب نوشی کے واقعات بڑھنے لگے تو آپؓ نے مجلسِ مشاورت میں یہ بات رکھی، اور فرمایا: ایک حد مقرر ہونی چاہیے۔ اب کتنی حد مقرر ہونی چاہیے؟ اس پر گفتگو جاری تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا: شریعت میں مقررہ حدود میں سب سے کم حد کو مقرر کیا جائے، اور وہ ہے اسی (۸۰) کوڑے، اسی پر حضرت علیؓ نے بھی فرمایا کہ: شراب پینے سے فحش گوئی اور تہمتوں کا دروازہ کھلتا ہے، اور تہمت کی سزا (۸۰) کوڑے ہیں، تو شاربِ خمر کو بھی اسی کوڑے لگائے جائیں، چنانچہ آپؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے مشورے پر اسی کوڑوں کا فیصلہ کیا گیا۔

اس واقعہ میں سابق الذکر دونوں حضرات کی فقہی بصیرت اور ملکۂ استنباط و استشہاد کا ظہور ہوتا ہے۔ (۱۱)

۳ استلامِ رکن اور آپؓ کا اجتہادی عمل

یہ بات بالکل واضح اور مسلم ہے کہ امورِ عبادت میں فرائض و واجبات اور سنن کی اصطلاحات عہدِ رسالت میں رواج پذیر نہیں تھیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص فقہاءِ صحابہؓ شارع علیہ الصلاۃ والسلام کو عبادات کرتے دیکھتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اور اپنی فقہی بصیرت سے اس کا درجہ متعین کر لیتے تھے، جس کی بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم توثیق فرماتے۔ اسی طرزِ عمل کی ایک عملی مثال سیدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بیان سے ملتی ہے، موصوف صحابی جلیلؓ فرماتے ہیں کہ: جب میں بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

پوچھا کہ: استلامِ رکن میں آپ نے کیا عمل اختیار کیا؟ میں نے عرض کیا کہ: کبھی استلام کیا اور کبھی چھوڑا (یعنی فرض اور واجب سمجھ کر ہمیشہ نہیں کیا، بلکہ سنت ومستحب سمجھ کر کبھی استلام کیا اور کبھی ترک کیا) آپ ﷺ نے فرمایا: آپ نے درست راہ اختیار کی۔ (۱۲)

اس سے جہاں آپؓ کی فقاہت پر مہرِ نبوت ثبت ہوتی ہے، وہیں آپ ﷺ کی فقہی تربیت کا اسلوب وانداز بھی معلوم ہوتا ہے۔

آپؓ کی مرویات میں فقاہت کی جھلک

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ کے فقہی اور حدیثی مقام ومرتبہ کا اندازہ ان روایات سے لگایا جاسکتا ہے جو صرف آپ سے منقول ہیں، کیوں کہ عموماً ہر شخص اس فن کی احادیث کو زیادہ یاد رکھتا ہے، جس کا وہ ماہر ہو۔ فقہاء صحابہؓ سے فقہی روایات ہی زیادہ تر منقول ہوتی ہیں، جیسے عام طور پر اقضیہ کی احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، فرائض ومیراث کی روایات میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حلال وحرام کی احادیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ وہ ان فنون کے ماہر اور خوگر تھے۔ (۱۳) بطورِ مثال تین روایات پیش کی جاتی ہیں:

① - مجوس سے جزیہ قبول کرنا

مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنے کے سلسلے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ متردد تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آکر خبر دی کہ حضور ﷺ نے مقامِ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا، یہ حدیث آپؓ کے سوا موجودہ لوگوں میں کسی کے پاس نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف آپ کی روایت کی وجہ سے جزیہ قبول کرنے کا فیصلہ کیا، جس سے خبرِ واحد کی حجیت معلوم ہوتی ہے۔ (۱۴)

② - وبائی علاقوں کے متعلق نبوی ہدایت

۱۸ رہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ شام کے سفر پر نکلے، مقامِ سرغ تک پہنچنے پر خبر ملی کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے، آپؓ نے اولاً مہاجرینِ اولین سے مشاورت کی، مجلسِ مشاورت میں اختلاف ہوا، کوئی حتمی فیصلہ نہ ہوسکا، پھر انصار صحابہؓ سے مشاورت کی، اس میں بھی اختلاف ہوا، اور کسی حتمی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے، پھر آپ نے قریش کے بڑے سردار جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ہجرت کی، ان سے مسئلہ کا حل دریافت کیا، سب ایک رائے پر متفق ہوئے کہ خود کو وبا میں داخل نہیں کرنا چاہیے اور واپس لوٹ جانا بہتر ہے۔ آپؓ نے واپس لوٹنے کا فیصلہ سنایا، اس پر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی تقدیر

سے بھاگ رہے ہیں؟ تب آپؓ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

’’نعم! نفر من قدر الله إلی قدر الله.‘‘

’’جی ہاں! ہم تقدیرِ الٰہی سے تقدیرِ الٰہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔‘‘

اس تمام کارروائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ شامل نہ تھے، وہ کسی کام سے کہیں گئے ہوئے تھے، اچانک وہ تشریف لائے اور جب انہیں تمام ماجرے کا علم ہوا تو فرمایا: ایسے موقع کے لیے تو میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

’’ إِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ، فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِّنْهُ. ‘‘

’’جب تم کسی علاقے کے متعلق سنو کہ اس میں وبا ہے، تو وہاں داخل مت ہونا، اور اگر جہاں تم رہ رہے ہو، وہاں وبا پھیل جائے، تو بھاگنے کی غرض سے نہ نکلنا۔‘‘

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے، شکر ادا کیا اور لوٹ گئے۔ (۱۵)

③ - نماز میں بھول جانے کے وقت بِنا کرنا

نماز میں تعدادِ رکعات میں اشتباہ اور وہم ہونے کی وجہ سے استئناف کیا جائے یا بِنا، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت اور نبوی رہنمائی دریافت فرمائی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میرے پاس تو کوئی حدیث نہیں، یہی گفتگو چل رہی تھی کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا، تو ان سے مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا، جب آپ نے مسئلہ کے متعلق سنا، تو فرمایا: میرے پاس اس مشکل کا حل موجود ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

’’إِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ، فَشَكَّ فِيْ صَلَاتِهٖ، فَإِنْ شَكَّ فِي الْوَاحِدَةِ وَالثِّنْتَيْنِ، فَلْيَجْعَلْهُمَا وَاحِدَةً، وَإِنْ شَكَّ فِي الثِّنْتَيْنِ وَالثَّلَاثِ ؛ فَلْيَجْعَلْهُمَا ثِنْتَيْنِ، وَإِنْ شَكَّ فِي الثَّلَاثِ وَالْاَرْبَعِ ؛ فَلْيَجْعَلْهُمَا ثَلَاثًا، حَتّٰى يَكُوْنَ الْوَهْمُ فِي الزِّيَادَةِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ، ثُمَّ يُسَلِّمُ. ‘‘

’’جب تم نماز میں ہو اور شک ہو جائے، اگر پہلی اور دوسری رکعت میں شک ہو تو پہلی پر بِنا کرے، دوسری اور تیسری میں شک ہو تو دوسری پر بِنا کرے، تیسری اور چوتھی میں اختلاف ہو تو تیسری کو اصل بنائے اور پھر سلام سے قبل سجدۂ سہو کرے، بعد از اں سلام کرے۔‘‘ (۱۶)

یہ تینوں روایات آپ کی فقہی بصیرت اور فقیہانہ مقام و مرتبہ کی عکاسی کرتی ہیں۔ واللہ أعلم

بالصواب و علمه أكمل و أتم.

مصادر ومراجع

١:مسند أحمد بن حنبل، مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ٢٢٠٣٣، ج:٣٦، ص:٣٦٢، مؤسسة الرسالة، ١٤٢٩ھ

٢:صحيح البخاري، كِتَابُ الدِّيَاتِ ، بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى :" وَمَنْ أَحْيَاهَا" رقم الحديث: ٦٤٧٨، ج:٦، ص:٢٥١٩، دار ابن كثير، ١٤١٠ھ.

٣:انظر ترجمته : الطبقات لإبن سعد: ٣ / ١٢٤، ومعرفة الصحابةؓ لأبي نعيم الأصبهاني: ١٣٠/ ١، والاستيعاب في معرفة الأصحابؓ لإبن عبد البر: ٤٢٠، وأسد الغابة: ٣ / ٣٦٢، والإصابة: ٢٩٠/ ٤، الر ياض النظرة: ٥٨٣.

٤:إعلام الموقعين عن رب العالمين لابن القيم، الفصل من بلغ بعد الرسول: ١٢/ ١،دار الجيل، بيروت .

٥:الطبقات لإبن سعد، باب ذكر من يفتي بالمدينة و يقتدى به: ٣٤٠/ ٢، بيروت، ١٣٧٦ ھ.

٦:تلقيح فهوم أهل الأثر في عيون التار يخ والسير لإبن الجوزي، تسمية من كان يفتي على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم من أصحابه، ص:٣٢١، شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم .

٧: الإصابة في تمييز الصحابة لإبن حجر، رقم ترجمة الصحابي :٥١٩٥، ج:٤، ص:٢٩١، دار الكتب العلمية، ١٤٢٦ھ.

٨:التراتيب الإدار ية للشيخ عبد الحي الكتاني، تحت ذكر المفتين على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم: ١ / ٥٦، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

٩:سنن النسائي، كتاب الطهارة، صفة الوضوء، غسل الكفين، رقم الحديث ٨٢، دار المعرفة، ١٤٠٤ھ.

١٠:الطبقات لابن سعدؒ: ١٢٩/ ٣، بيروت، ١٣٧٦ ھ.

١١:الصحيح لمسلم، كتاب الحدود، باب حد الخمر، رقم الحديث :١٧٥٢، ص: ٨٢١، دار التأصيل ١٤٣٩ھ، و المؤطا للإمام مالك، كتاب الحد في الخمر، رقم الحديث :١٨٢٥، ٤٥/ ٢، مؤسسة الرسالة ١٤١٢ھ.

(نوٹ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور المؤطا کی روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ذکر ہے، امام نوویؒ نے دونوں کو جمع کیا ہے، ہم نے وہی اختیار کیا ہے)

١٢:معجم الصغير للطبراني، رقم الحديث :٣٨٨،٦٥٠/ ١، المكتبة الإسلامية، بيروت، ١٤٠٥ھ.

١٣:التقييد والإيضاح للعراقي، نوع معرفة مختلف الحديث، ص:٢٢٦، دار الكتب العلمية، ١٤٢٠ ھ.

١٤:السنن لأبي داؤد، كتاب الخراج و الإمارة، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم الحديث: ٣٠٣٩، ج:٤، ص:٣٩٢، مؤسسة الر يان ١٤٢٥ھ.

١٥:الصحيح للبخاري، كتاب الطب، باب : مايذكر في الطاعون، رقم الحديث :٥٣٩٧، ج:٥، ص:٢١٦٤، دار ابن كثير، ١٤١٠ھ.

١٦:مسند أحمد بن حنبل، مسند عبد الرحمٰن بن عوف رضي الله تعالىٰ عنه، ٣ / ١٩٤، مؤسسة الرسالة، ١٤٢٩ھ.

.....❁.....❁.....❁.....

اے اہلِ ایمان!... سچوں کے ساتھ رہو

مولانا عبدالصمد
محراب پور، سندھ

سچے کون ہیں؟ اور اُن کی علامات کیا ہیں؟ ان کی شناخت ہم کیسے کریں؟ اب تو سچے کہاں؟ اب تو جھوٹوں کی بہتات ہے؟ جائیں تو کہاں جائیں؟ کس کا ساتھ دیں؟ بس اللہ ہی مدد فرمائے، باقی حالات عجیب ہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جو اکثر وبیشتر لوگوں کی زبان پر آتی رہتی ہیں، کبھی تو یہ الفاظ اس وقت کہے جاتے ہیں کہ دینی ودنیاوی اعتبار سے کوئی پریشان ہوتا ہے، پریشانی ہر طرف سے اس کو گھیر لیتی ہے، اور کبھی اس وقت یہ الفاظ بولے جاتے ہیں جب اہلِ حق وصدق حق بات سمجھانے کے لیے کسی سے گفتگو کر رہے ہوتے ہیں۔ جب مخاطب لاجواب ہوجاتا ہے تو اس طرح کے مایوس کن الفاظ کہہ کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں کے پیچھے اپنی سستی، دینی غفلت، لاپرواہی، راہِ حق کی طلب کا فقدان، نشست وبرخاست کا اُن لوگوں کے ساتھ ہونا جو خود اخلاقی بدتری کا شکار ہوتے ہیں، دین سے صرف نام کی حد تک تعلق ہوتا ہے، دین کو صحیح سمجھنے کے لیے کبھی زحمت برداشت نہیں کی، جو ذہن میں آیا اس کو دینِ حق سمجھ بیٹھے۔ اس پر اتنا ڈٹ گئے کہ مجال ہے ذرا بھی اس سے ہٹنے کو تیار ہوں، (العیاذ باللہ) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حق کو سورج کی طرح روشن کردیا ہے، حالانکہ قرآن، حدیث، قرآن والے، حدیث والے ابھی تک موجود ہوں، پھر بھی مایوس کن باتیں کرنا اس پر افسوس کے سوائے کیا کہا جاسکتا ہے؟

اہلِ حق وصدق ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے، اس کا وعدہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا ہوا ہے۔ دنیا کا کوئی علاقہ یا شہر ایسا نہیں ہے جہاں اہلِ حق وصدق کی جماعت موجود نہ ہو اور افراد نہ ہوں۔ خانقاہوں، مدرسوں، مسجدوں میں رہنے والے یہ ہی تو اہلِ حق وصدق ہیں، جنہوں نے ہمیشہ اپنے کردار، اعمال اور اقوال سے سچ/حق کی آواز بلند کی ہے، کمی ہے تو اپنی ہے کہ ہم میں اہلِ حق کو تلاش کرنے کا فقدان ہے۔

قرآن وحدیث میں جابجا اہلِ حق وصدق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ساتھ ساتھ ان کے ساتھ رہنے کا تاکیدی حکم بھی دیا گیا ہے اروان کی مخالفت پر وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں اور ان کے ساتھ تعلق نہ رکھنے پر دینی ودنیاوی نقصانات بھی بتائے گئے۔

قرآن کریم میں صادقین کی علامات

درج ذیل آیات میں صادقین کی علامات بیان کی گئی ہیں:

①:-''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔'' (الحجرات:۱۵)

ترجمہ:''پورے مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول (علیہ السلام) پر ایمان لائے، پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے رستے میں محنت اٹھائی یہ لوگ ہیں سچے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

فائدہ: اس آیت میں بتادیا کہ ایمان میں سچائی لازم ہے۔ (انوار البیان: ج:۴،ص:۳۰۰)

②:''لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔'' (الحشر:۸)

ترجمہ:''اور ان حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کردیے گئے، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں۔ اور وہ اللہ اور رسول (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (اور) یہی لوگ (ایمان) کے سچے ہیں۔''

③:''وَالَّذِيْ جَاۗءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔'' (الزمر:۳۳)

ترجمہ:''اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور اس کو سچ جانا تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں۔''

فائدہ: اس آیتِ مبارکہ میں سچائی اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں صفتِ تقویٰ سے متصف فرمایا ہے۔ (انوار البیان، ج:۴،ص:۳۰۰)

④: وعدہ پورا کرنے میں سچائی ہو:

''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔'' (الاحزاب:۲۳)

ترجمہ:''ان مؤمنین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا وعدہ کیا تھا، اس میں سچے اُترے۔''

مفسرین کی تفاسیر میں بیان کردہ صادقین کی علامات

اسی طرح حضرات مفسرین نے بھی اہلِ صدق کی مزید علامات بیان فرمائی ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

❶: دین کے معاملات میں سچے ہوں، یعنی صرف اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہو۔

❷: اقوال (باتوں) میں سچے ہوں، پھرنے والے نہ ہوں۔

❸: اعمال (کردار) میں سچے و پختہ ہوں۔

(البحر المحیط، ج:۵،ص:۱۱۳۔ تفسیر نسفی، ج:۲،ص:۳۹۳۔ الکشاف، ج:۲،ص:۳۵۶۔ روح المعانی، ج:۶،ص:۴۵)

❹: ظاہر و باطن ایک جیسا ہو۔ (قرطبی: ج:۸،ص:۲۶۲) یہ نشانی تمام نشانیوں کو جامع ہے۔

❺: دن کی روشنی میں اور رات کی تاریکی میں ان کی زبان سچ سے لبریز ہو۔ برسرِ عام اور خفیہ دونوں صورتوں میں اُن کی زبانیں سچ سے تر ہوں۔

❻: اپنے گناہوں، خطاؤں، کمی، کوتاہیوں، پر توبہ کرنے اور رجوع الی اللہ میں سچے ہوں۔ (بیضاوی، ج:۳،ص:۱۰۰)

❼: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: صادقین وہ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ثابت ہوئے اور جو اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اطاعت پر معاہدہ کیا ہے، اس میں سچے ثابت ہوں۔ (روح المعانی، ج:۶،ص:۴۵)

خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے سچ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہو اور اپنے اعضاء کی طرح سچ کو بھی اپنے جسم کا جز سمجھتے ہوں۔

حضرات مفسرین نے مخاطبین کے فہم و ذکاء کا لحاظ کرتے ہوئے ایک بات کو مختلف انداز میں سمجھانے کی پوری پوری کوشش کی ہے، تاکہ ہر آدمی اپنے حال، فہم/ ذکاء کے اعتبار سے سمجھ سکے اور عمل کرے۔ مذکورہ بالا علامات کے ذریعہ عام سے عام آدمی اہلِ صدق کی شناخت کرسکتا ہے۔ جب کسی فرد/ جماعت کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے یہ ثابت ہوجائے کہ وہ سچے ہیں تو ان کی حمایت/ تعاون اور ان کا ساتھ دینا لازم ہوجاتا ہے، چاہے زبانی ہو یا عملی ہو، ان کی مخالفت جائز نہ ہوگی، مخالفت برائے مخالفت کی صورت میں گناہ کا طوق اس کی گردن میں توبہ تک ہوگا۔

اہلِ صدق و حق کے ساتھ تعاون/ مدد کرنے اور ان کا ساتھ دینے کے بارے میں قرآن و حدیث میں جابجا تاکیدی حکم مذکور ہے، لیکن ہم صرف یہاں پر ایک آیت کو ذکر کرتے ہیں، ساتھ ساتھ اس آیت کے ذیل میں حضرات مفسرین نے جو رموز، معارف/ نکتے، حقائق بیان کیے ہیں، وہ بھی ہم ''فائدہ'' کے نام سے ذکر کریں گے، شاید کسی کو بات سمجھ میں آجائے اور ہدایت کا ذریعہ بن جائے:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.'' (التوبہ:۱۱۹)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور عمل میں سچوں کے ساتھ رہو۔''

''یعنی جو نیت اور بات میں سچے ہیں، ان کی راہ چلو کہ تم بھی صدق اختیار کرو۔'' (بیان القرآن،ص:۴۲۱)

آیتِ مذکورہ کا ماقبل سے ربط وتعلق

اس کے بارے میں حضرات مفسرین کے دوقول ہیں:

❶: حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا ہے، وہ ربط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''چونکہ کعب بن مالکؓ وغیرہ کی معافی محض پرہیزگاری اور سچ بولنے کی وجہ سے ہوئی، اس لیے عام مسلمانوں کو تقویٰ، پرہیزگاری اور صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم دیا جاتا ہے کہ صادقین کی معیت اور صحبت اختیار کرو اور منافقین کی صحبت سے پرہیز کرو، اس لیے کہ نبوت کے بعد درجہ صدق کا ہے: ''فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ. الخ.''

(معارف القرآن، ج:۳،ص:۵۳۳)

❷: علامہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

جملہ معترضہ ہے، صدق کی اہمیت، افادیت وضرورت پر تنبیہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے: ''واعترضت هٰذه الجملة تنبيها على رتبة الصدق كفى بها أنها ثانية لرتبة النبوة.'' (البحر المحیط: ج:۵،ص:۱۱۳)

آیتِ مذکورہ سے مستنبط فوائد اور نکات

ایمان اور تقویٰ کے ساتھ صحبتِ صالحین بھی ضروری ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد تقویٰ ضروری ہے اور پھر صادقین اور صالحین کی معیت بھی ضروری ہے، کیونکہ ''اتَّقُوا اللّٰهَ'' کے بعد ''وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' کا حکم دیا گیا ہے، جو وجوب اور لزوم کے لیے ہے، کوئی کمال بدون کامل کی صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ صحابیت کی حقیقت ہی شرفِ صحبت ہے۔ (معارف القرآن، ج:۳،ص:۵۳۳، کاندھلویؒ)

حضرت مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ اس آیت کا مفہوم ومطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرات مفسرین کرامؒ نے ''وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' کا ایک مطلب تو یہ بھی لکھا ہے کہ ''كونوا مثلهم في صدقهم'' (روح المعانی: ج:۶،ص:۴۵) یعنی جو لوگ صادقین ہیں ان ہی کی

طرح ہوجاؤ، یعنی صدق ہی کو اختیار کرو اور ایمانی اقوال، اعمال، احوال میں صادقین کی راہ پر چلو، اور جس واقعے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس کی مناسبت سے یہی معنی زیادہ اظہر ہے، کیونکہ حضرت کعبؓ اور ان کے دونوں ساتھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جانے سے رہ گئے تھے، وہ ان کے ساتھ عملِ صدق میں شریک نہ ہوئے تھے۔

لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بھی بتاتا ہے کہ صادقین کی صحبت اختیار کرو، صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے، اچھی صحبت اور بری صحبت دونوں بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں، جو اچھوں کی صحبت اُٹھائے گا اس میں خوبی پیدا ہوگی اور جو بروں کی صحبت میں رہے گا، اس میں برائیاں آتی چلی جائیں گی۔''

(انوار البیان، ج: ۴، ص: ۳۵۳)

آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سچوں کے ساتھ ہونے میں تقویٰ کی صفت سے متصف ہوں گے، تقویٰ کا حکم دینے کے بعد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے، اپنے لیے بھی صادقین کی مصاحبت کی فکر کریں اور اپنی اولاد کے لیے بھی اسی کو سوچیں، صادقین کے ساتھ بھی رہیں، ان کی کتابیں بھی پڑھیں، کتاب بھی بہترین ساتھی ہے، مگر کتاب اچھی ہو، اچھائی سکھاتی ہو اور اچھے لوگوں کی لکھی ہوئی ہو۔

(انوار البیان: ج: ۴، ص: ۳۵۳)

''کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' کی تعبیر اختیار کرنے میں ایک اہم نکتہ

یہاں پر حضرات مفسرین نے ایک اور باریک نکتہ بھی بیان فرمایا کہ: ''کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' کے بجائے ''کونوا مع العالمین'' اور ''کونوا مع الصالحین'' کیوں نہیں کہا گیا؟ اس بارے میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ:

''کونوا مع العالمین'' اور ''کونوا مع الصالحین'' کے بجائے ''کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' کا لفظ اختیار فرما کر عالم اور صالح کی پہچان بھی بتلا دی کہ صالح / عالم صرف وہی شخص ہوسکتا ہے، جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو، نیت و ارادے کا بھی سچا ہو، قول کا بھی سچا ہو، عمل کا بھی سچا ہو۔

(معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۴۸۵)

''کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ'' میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ صفتِ تقویٰ حاصل کرنے کے لیے طریقہ صالحین و صادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے، اس میں شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ جن حضرات سے یہ لغزش ہوئی اس میں منافقین کی صحبت و مجالست اور ان کے مشورے کو بھی دخل تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کی صحبت سے بچنا چاہیے اور صادقین کی صحبت اختیار کرنا چاہیے۔ (معارف القرآن، ج: ۴، ص: ۴۸۵)

صادقین کی معیت میں رہ کر دنیا وآخرت کی بے شمار خوبیاں حاصل ہوتی ہیں، لیکن ہم یہاں صرف تین کو ذکر کرتے ہیں، جو جامع ومانع ہیں: ۱:-اجتماعیت، ۲:-تربیت یعنی اخلاقِ ظاہرہ، اخلاقِ باطنہ کی تربیت ہوگی۔ ۳:-دینی ودنیاوی معاملات میں ترقی ہوگی۔ (مواعظِ جمعہ مولانا عبدالکریمؒ، ملتان، ص:۲۶۳)

حضرات مفسرین کرامؒ نے آیتِ بالا کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''اس طرح درجہ بدرجہ ہر زمانے میں صالح بندگانِ خداوند تعالیٰ کا ساتھ دینا ضروری ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زمانۂ خلافتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت آیتِ مذکورہ سے استدلال کر کے فرمایا کہ: ''اے لوگو! حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب کے ساتھ ہوجاؤ۔''

(مواہب الرحمٰن، ج:۳،ص:۵۷)

راہِ حق کی تین اقسام

راہِ حق کی تین اقسام ہیں: ❶: ایمان، ❷: تقویٰ، ❸: صدق۔ اور ان اعمال کا تعلق دل سے ہے، کیونکہ ان کے حقائق کشفِ انوارالغیوب سے درست ثابت ہوتے ہیں، جب یہ حقائق ثابت ہوگئے تو بندے کو ایمان سے آیاتِ قرآنی کے حقائق ملتے ہیں، اور تقویٰ سے مشاہدۂ صفات، اور صدق سے مشاہدۂ انوارِ ذات حاصل ہوتے ہیں، واضح ہو کہ پہلے ان کو مؤمنین کہا، پھر ان کو اس مقام سے مقامِ تقویٰ کی طرف بلایا اور وہ مشاہدۂ جلال وعظمت کا مقام ہے کہ تمام اغیار سے بیزار ہوجائے۔ پھر تقویٰ سے مقامِ صدق کی طرف بلایا اور وہ مقامِ استقامت مع اللہ عزوجل ہے، چنانچہ صادق اس کی بلا وامتحان سے گریز نہیں کرتا اور اس میں اشارہ ہے کہ جو مؤمن ہے، اس میں تقویٰ، صدق کی استدعا (تقاضا) ہے۔ نیز اس آیت میں یہ بیان بھی ہے کہ صادقین سے مخالفت نہ کرو، چنانچہ صادقین کو جو علوم واسرار حاصل ہوتے ہیں ان میں اتباع کرنے والوں کو بھی فیض حاصل ہوتا ہے۔ (مواہب الرحمٰن، ج:۳،ص:۱۶)

نیز اس آیتِ بالا کے ذیل میں حضرات مفسرینؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''صالحین وصادقین کی موافقت ومتابعت کسی صورت میں بھی ترک نہ کرے، اگرچہ صادقین، صالحین کی مخالفت پر ایک جم غفیر آیا ہو۔'' (مواہب الرحمٰن، ج:۳،ص:۵۷)

آیتِ مذکورہ اجماع کی حجیت کی دلیل ہے

بعض علماء کا قول ہے کہ یہ آیت اجماعِ امت کے حجت ہونے کی دلیل ہے، یعنی جن اُمور پر اجماع ہوجائے، ان کا ماننا ضروری ہے، کیونکہ ''كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ'' فرمایا گیا ہے:

’’والآية تدل على أن الإجماع حجة؛ لأنه أمر بالكون مع الصادقين، فلزم القبول لهم.‘‘ (تفسیر نسفی، ج:۲،ص:۲۹۳۔ تفسیر الکبیر، ج:۶،ص:۱۶۶۔ مواہب الرحمٰن، ج:۳،ص:۵۹)

صادقین ہر زمانے میں ہوں گے

امام رازیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ: اہلِ ایمان کو صادقین کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیا تو اس میں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ صادقین کی جماعت ہر زمانے میں رہے گی:

’’إنهٗ تعالىٰ أمر المؤمنين بالكون مع الصادقين، فلابد من وجود الصادقين في كل وقت.‘‘ (تفسیر الکبیر، ج:۶،ص:۱۶۶)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آیتِ مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’سچوں کی صحبت رکھو، اور ان ہی جیسے کام کرو، دیکھ لو! یہ تین شخص سچ کی بدولت بخشے گئے اور مقبول ٹھہرے۔ منافقین نے جھوٹ بولا اور خدا کا ڈر دل سے نکال دیا تو ’’درکِ اسفل‘‘ کے مستحق بنے۔‘‘

(تفسیر عثمانی، ج:۱،ص:۵۸۷)

حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

’’بعض نے معیت کی تفسیر مخالطت و مقارنت سے کی ہے، كذا في الروح، اس میں ترغیب ہے صحبتِ صالحین کی۔‘‘ (بیان القرآن، ص:۴۲۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تفسیر حقانی (ج:۲،ص:۵۲۳) میں لکھتے ہیں:

’’صادقین کے جو کچھ فضائل آئے ہیں، وہ بیان سے باہر ہیں، جب آدمی اپنے خدا تعالیٰ سے سچا رہتا ہے تو دین و دنیا کی برکات نصیب ہوتی ہیں، چونکہ صدق بھی نبوت کا ایک جزوِ اعظم ہے، اس لیے صدیق کا درجہ نبی کے بعد ہے۔‘‘ (تفسیر حقانی، ج:۲،ص:۵۲۳)

صحبتِ صالحین کی ضرورت سے متعلق چند احادیث مبارکہ

ہر شخص کو معاشرت کے لیے، اُٹھنے بیٹھنے کے لیے، مسافرت کے لیے اور مصاحبت کے لیے صادقین کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے، جیسے ساتھی ہوں گے ویسا ہی خود ہو جائے گا، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

❶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، سو تم میں سے ہر شخص غور و فکر کرے کہ اس کی دوستی کس سے ہے؟‘‘: ’’الرجل علىٰ دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل.‘‘

❷: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: صرف مومن کی صحبت اختیار کرو اور تیرا کھانا متقی کے سوا کوئی نہ کھائے: ’’لاتصاحب إلا مؤمناً و لایأکل طعامك إلا تقي.‘‘ (الترمذی، ج:۲،ص:۶۵)

❸: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تم میں سے کسی کا ارادہ صادقین کی معیت وصحبت اختیار کرنے کا ہو تو دو کام کرو، تم کو صادقین کی معیت نصیب ہوجائے گی: ۱:- دنیا میں رہ کر زہد اختیار کرو، ۲:- اہلِ دنیا سے اپنے آپ کو بچاتے رہو۔ (ابن کثیر، ج:۴،ص:۳۹۹)

اس آیتِ مبارکہ میں سچائی کی اہمیت اور ضرورت بتانے کے لیے عامۃ المسلمین کو حکم دیا گیا ہے کہ سچوں کا ساتھ دو، تاکہ صفتِ صدق حاصل ہوجائے، نیز آیتِ مذکورہ میں سچ بولنے اور تمام معاملات میں سچائی اختیار کرنے کی ضمناً ترغیب دی گئی ہے، اس لیے کہ سچ تمام خوبیوں/نیکیوں کی جڑ ہے اور تمام نیکیوں سے افضل واحسن ہے اور سچ اچھی عادت/خصلت کی بنیاد ہے اور ہر سعادت وخیر کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے اور صدق سے ہی ہر کمال حاصل ہوتا ہے۔ سچائی کا نتیجہ سو فیصد کامیابی ہے، لہٰذا جب تمام مقامات میں سچ کا لحاظ کیا جائے گا، یعنی دل، فکر، نیت، قول، عمل صدق سے لبریز ہوگا تو پھر اس کے نتائج بھی شاندار روح افزا نکلیں گے۔ سچ کا اثر حالتِ نیند پر بھی ہوگا اور خواب سچے آئیں گے، دل پر آنے والی چیز بھی سچی ثابت ہوگی۔ اس پر آنے والے احوال درست ہوں گے۔ امورِ وہبیہ، مشاہدات میں بھی نتیجہ سچا آئے گا، اگر یوں کہا جائے کہ سچ شجرۂ کمال کی اصل ہے، احوالِ صادقہ کے ثمر کا بیج ہے تو بجا ہوگا۔ ساتھ ساتھ جھوٹ بولنے پر اور تمام معاملات میں جھوٹ بولنے پر ضمناً سخت وعید بھی دی گئی ہے، اس لیے کہ جھوٹ تمام برائیوں میں سے سب سے قبیح ہے اور جھوٹ ہر برائی کی جڑ ہے اور ہر بری عادت وخصلت کی بنیاد ہے۔ ہر شقاوت کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے، جھوٹ کا نتیجہ سو فیصد ناکامی وذلت ہے۔ (تفسیر قاسمی، ج:۵،ص:۵۲۵)

صدق اور سچائی سے متعلق چند احادیث مبارکہ

①: روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ پر ایمان لانا چاہتا ہوں، لیکن میں تو شراب، زنا، چوری اور جھوٹ کا گرویدہ ہوں، ان کو میں چھوڑ نہیں سکتا اور آپ تو ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں اور میں ان اعمال کا شیدائی ہوں کہ چھوڑ نہیں سکتا، اگر آپ ان میں سے کسی ایک کے چھوڑنے کا حکم دیں گے تو میں مؤمن ہوجاؤں گا، باقی اعمال حسب عادت کرتا رہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی گفتگو سن کر فرمایا کہ ٹھیک ہے تو مسلمان ہوجا، لیکن جھوٹ نہ بولنا، وہ مسلمان ہوگیا اور چلا گیا، جب اس پر شراب پیش کی گئی تو اس نے کہا کہ اگر میں نے شراب پی لی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شراب کے پینے کے بارے

میں پوچھا تو اگر میں نے جھوٹ بولا تو یہ وعدہ خلافی ہوگی اور اگر میں نے سچ بولا تو مجھ پر حد قائم ہوگی، اس لیے بس میں شراب چھوڑتا ہوں، پھر اس پر زنا پیش کیا گیا، اس وقت بھی یہی صورت حال ہوئی، تو زنا بھی چھوڑ دیا، اسی طرح چوری کرنے کے ارادے میں بھی یہی صورت حال سامنے آئی اور چوری کرنا چھوڑ دیا۔ بالآخر وہ شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے تو میرے ساتھ بہت ہی اچھا کیا کہ آپ نے مجھے جھوٹ سے روکا، اس سے تمام برائیاں مجھ سے چھوٹ گئیں اور باقی تمام گناہوں سے توبہ کر لی۔ معلوم ہوا کہ جھوٹ نہ بولنے کے بہت فوائد ہیں۔ (تفسیر الکبیر، ج:۶،ص:۱۶۷، تفسیر سراج منیر، ج:۱،ص:۶۵۶)

②: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اپنی جانوں کی طرح مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دے دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: ۱:- بولو، تو سچ بولو، ۲:- وعدہ پورا کرو، ۳:- جو امانتیں تمہارے پاس رکھی جائیں انہیں ادا کرو، ۴:- اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، ۵:- اپنی نظروں کو نیچا رکھو، ۶:- اپنے ہاتھوں کو ظلم وزیادتی سے بچائے رکھو۔'' (مشکوۃ،ص:۴۱۵)

③: حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ''ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا، اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے۔ میری والدہ نے کہا: آ! میں تجھے دے رہی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: میں نے کھجور دینے کا ارادہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اُسے کھجور بھی نہ دیتی تو تیرے اعمال نامہ میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔'' (مشکوۃ،ص:۵۱۶)

④: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم سچ کو پکڑو، کیونکہ سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر سچ اختیار کرتا ہے اور سچ ہی پر عمل کرنے کی فکر کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور تم جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ گناہ گاری کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ میں لے جاتی ہے اور انسان جھوٹ کو اختیار کرتا ہے اور جھوٹ ہی کے لیے فکرمند رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ (سنن الترمذی، ج:۱،ص:۱۹)

⑤: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو ساری دنیا بھی اگر تجھ سے جاتی ہے تو کوئی ڈر نہیں: ①: امانت کی حفاظت، ②: بات کی سچائی، ③: اخلاق کی خوبی، ④: لقمہ کی پاکیزگی۔'' (مشکوۃ،ص:۴۴۵)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب مسلمانوں کو دنیا وآخرت میں اہلِ صدق وحق کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین ، صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین

عاریت پر لی گئی کتب سے متعلق چند گزارشات!

مولانا محمد طیب حنیف
فاضلِ جامعہ

قراءتِ کتب کی اہمیت اور اس کا تحصیلِ علم میں نافع ہونا کسی بھی سمجھدار شخص پر مخفی نہیں۔ نیز اس قابلِ اقتداءِ عمل کی صحت سے متعلق کوئی دو رائے نہیں۔ استفادہ بذریعہ کتب اپنے ماسویٰ دیگر جدید ذرائع ابلاغ سے سہل ترین ہے، اس میں بغیر کسی جدید ترین ٹیکنالوجی سے بہرہ یاب ہوئے بخوبی استفادہ کیا جانا ممکن ہے، البتہ اس کے لیے طبعی رغبت اور شوق ضروری ہے۔ کتاب سے استفادے کی متعدد صورتیں ہیں، مثلاً: کسی کتاب کو خریدنا، اجارہ پر مدتِ معلومہ کے لیے اُٹھانا، عاریۃً (بلاعوض) مطالعہ کرنا۔ ان تمام صورتوں کی شریعتِ اسلامیہ نے چند منضبط احکام وقواعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجازت مرحمت کی ہے، جن کی تفصیل کتبِ مطولات میں درج ہے۔ اس مضمون میں عاریت پر لی گئی کتب سے متعلق چند گزراشات پیش خدمت ہیں:

عاریت کی لغوی و اصطلاحی تحقیق:

''التّداوُل فِي الشَّيْءِ يَكُوْنُ بَيْنَ اثْنَيْنِ''، یعنی عاریت لغت میں عاقدین کے درمیان ہونے والے اُدھار پر مبنی لین دین کو کہتے ہیں۔ (۱) جبکہ اصطلاحِ فقہ میں ''تمليك المنافع بغير عوض''، یعنی بغیر عوض کے منافع کا مالک بنادینے کو عاریت کہتے ہیں۔ (۲)

ملاحظہ: تعریف میں ''تملیک'' کی قید جمہور حنفیہ کے نزدیک ہے، اس کے برخلاف شوافع حضرات اور احناف میں سے امام کرخیؒ اباحتِ انتفاع کے قائل ہیں۔ (۳)

کتب کو عاریت پر دینے سے متعلق احکام اور فقہاءِ کرام کی آراء

کتب کو عاریت پر دینے سے متعلق بنیادی طور پر چار طرح کی آراء ملتی ہیں:

①: وجوب

اس جماعت کے نزدیک کتابوں کو عاریت پر دینا امرِ وجوبی ہے، اور اس میں بُخل ''غلول

الکتب'' (کتابوں کی روک تھام) میں داخل ہے، جیسا کہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں امام زہریؒ اپنے شاگرد یونس کو ناصحانہ خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''یایونس! إیاك وغُلول الکتب''، پھر غلولِ کتب کی خود تفصیل فرمائی: '' حَبْسُها علی أصحابها'' یعنی صاحبِ کتاب کے پاس کتاب کا محبوس رہنا یہ غلول میں داخل ہے۔ (۴) جبکہ بطریقِ خلال روایت کے کلمات یوں ہیں: ''حبسُها عن أهلها'' یعنی اس کتاب کے مطالعہ واستفادہ کی صلاحیت واستعداد کے حامل شخص سے کتاب کو محبوس رکھنا یہ ''غلول الکتب'' ہے۔ (۵)

اس جماعت میں ابن مبارک، سفیان ثوری اور امام شافعی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

''ینبغي لمن ملك کتابا أن لایبخل بإعارته لمن هو أهله، وکذٰلك ینبغي بالدلالة علی الأشیاخ، وتفهیم المشکل، فإن الطلبة قلیل، وقد عمّهم الفقر، فإذا بخل علیهم بالکتاب والإفادة کان سبباً لمنع العلم.'' (۶)

''یعنی صاحبِ کتاب کو چاہیے کہ وہ باصلاحیت واہلیت کے حامل اشخاص کو عاریۃً کتب حوالہ کرنے پر بخل کا اظہار نہ کرے، اسی طرح اساتذہ ومشائخ کی جانب رہنمائی کرنے اور مُغلق وگنجلک عبارات کا عقدہ حل کرنے میں کنجوسی سے کام نہ لے، چونکہ (حقیقی) طلبۂ علم کی تعداد قلیل ہے، طُرّہ یہ کہ ان پر فقر وفاقہ نے ڈیرہ ڈال رکھا ہے، لہٰذا اگر کتاب وافادہ سے بخل کرے گا تو یہ شخص حصولِ علم میں مانع اور رکاوٹ کا باعث بنے گا۔''

②: مندوب

یہ جمہور علماء کی رائے ہے، جن میں خطیب بغدادی اور بدر ابن جماعہ رحمہم اللہ جیسی نمایاں شخصیات موجود ہیں۔ خطیب بغدادیؒ رقم طراز ہیں:

''قال أبوبکر: إذا کان لرجل کتاب مسموع من بعض الشیوخ الأحیاء فطلب منه لیسمع من ذٰلك الشیخ فیستحبّ أن لایمتنع من إعارته، لما في ذٰلك من البر واکتساب المثوبة والأجر.'' (۷)

''ابوبکرؒ فرماتے ہیں: جب کسی شخص کے پاس بقیدِ حیات مشائخ سے سنی گئی روایات کا مجموعہ محفوظ ہو، اور کوئی دوسرا شخص اس سے سوال کرے تو بہتر یہ ہے کہ وہ عاریتاً سپردگی سے منع نہ کرے، اس میں اس عاریت پر دینے والے شخص کے لیے نیکی اور اجر وثواب کے حصول کا نادر موقع ہے۔''

اس سے متعلق امام شافعیؒ کا مشہور شعر ہے:

یا ذا الذي لم تر عین من رآه مثله
العلم یأبی أهله أن یمنعوه أهله

ترجمہ: ''اے وہ شخص جس کا مثل ونظیر دیکھنا اس آنکھ کو نصیب نہ ہوا، علم تو اپنے اہل و مستحق افراد سے روکے جانے سے اِنکاری ہے۔''(۸)

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

''ولاينبغي للمتعلم أن يكون بخيلاً بعلمه، إذا استعار منه إنسان كتاباً أو استعان به في تفهيم المسئلة أو نحو ذٰلك، ولاينبغي أن يبخل به؛ لأنهٗ يقصد بتعلمهٖ منفعة الخلق، فلا ينبغي أن يمنع منفعتهٗ في الحال.''(۹)

③: مباح

یہ جمہور فقہاء حنفیہ و مالکیہ کا مسلک ہے(۱۰)، چونکہ ضابطہ یہ ہے: ''كل عين فيها نفع يجوز إعارته''... ''ہر وہ چیز جس کا عین قابلِ انتفاع ہو، اس کو عاریت پر دینا جائز ہے۔''

اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ماثور اس کی اباحت کے لیے کافی شافی دلیل ہے۔ ابوداود کی روایت ہے:

''أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – استعار منه (صفوان بن أمية) أدْراعاً يَومَ حُنَينٍ، فقال: أغَصْبٌ يا محمد؟ فَقَالَ: ''لا، بل عاريَّةٌ مضمونَةٌ.''(۱۱)

''جنگِ حنین کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت صفوان رضی اللہ عنہ) سے کچھ زرہیں عاریۃً طلب کیں، (اس وقت وہ مسلمان نہ ہوئے تھے) انہوں نے پوچھا کہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! غصب کی نیت سے لے رہے ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، عاریت کی نیت سے، جس کا میں ضامن ہوں۔''

④: مکروہ

یہ قول ابن حجر ہیتمیؒ نے ''الفتاوى الحديثية'' میں صیغۂ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور خود ہی اس کی پُرزور تردید فرمائی ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب جامع میں علی بن قادمؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو فرماتے ہوئے سنا: ''لا تعرِ أحداً كتاباً''(۱۲) یعنی ''کسی شخص کو عاریۃً کتاب مت دو۔''

⑤: تحریم

اہلِ علم کے طبقہ میں سے کسی سے بھی اس کی حرمت کا قول نہیں ملتا ہے، البتہ بعض مخصوص حالات و صورتوں کی بنا پر تحریم کا فتویٰ دیا جائے گا، مثلاً کسی کافر کو عاریتاً مصحف یا کتبِ شرعیہ سپرد کرنا، جس کی جانب سے ہتکِ حرمت کا قوی اندیشہ ہو، اسی طرح نابلد و جاہل افراد کو اہلِ بدعت وضلال کی کتب عاریۃً دینا۔

کتابوں کو عاریت پر دینے سے متعلق چند شرائط

عاریت بھی عقود ات میں سے ہے، لہٰذا اس کے لیے بھی چند شرائط ہیں:

❶ : مُعیر (عاریت پر دینے والے شخص) کا اہلیت رکھنا، یعنی اس کا عاقل و بالغ ہونا، اسی طرح اگر وہ کتاب معیر کی نہ ہو تو مالک کی اجازت سے سپرد کرنا۔

❷ : مُستعیر (عاریتاً طلب کرنے والے شخص) کا اہلیت رکھنا، یعنی عاقل و بالغ ہونا، اور کتبِ شرع جن میں آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ لکھی گئی ہوں ان کو حوالہ کرنے کی صورت میں مستعیر کا مسلمان ہونا۔

❸ : عاریت پر دی جانے والی کتب باطل و گمراہ کن نظریات وعقائد کی عکاسی نہ کرتی ہوں، اگر وہ دین وشریعت سے متعلق شکوک وشبہات کا باعث ہوں تو ان کو عاریۃً دینا کسی صورت بھی جائز نہیں۔ (۱۳)

عاریت پر دی جانے والی کتب سے متعلق ضمان کا حکم

ہلاکت کی صورت میں عاریت پر دی جانے والی کتب پر ضمان کے وجوب اور عدمِ وجوب سے متعلق علماء کی مختلف آراء ملتی ہیں:

① : جمہور اہلِ علم جن میں شوافع وحنابلہ داخل ہیں، ان حضرات کے نزدیک عقدِ اعارہ مقتضیِ ضمان ہے، نیز قاضی شریحؒ بھی اسی کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں، اس مسلک میں مقتدیٰ شخصیت ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ مصنف عبدالرزاق میں یوں روایت درج ہے:

’’عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ، وَكَانَ قَاضِيًا قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ: اَضْمَنُ الْعَارِيَةَ؟ فَقَالَ: ’’نَعَمْ إِنْ شَاءَ اَهْلُهَا.‘‘ (۱۴)

’’ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے- وہ منصب قضاء کے عہدے پر فائز تھے- کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ عاریت پر لی گئی چیز قابل ضمان ہے؟ فرمایا: ’’ہاں اگر اس کا مالک ضمان کا مطالبہ کرنا چاہے۔‘‘

② : بعض اہلِ علم جیسے حسن، سفیان، شعبی، عمر بن عبدالعزیز، قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہم نے ضمان کی مطلق نفی فرمائی ہے، (۱۵) ان حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آثار سے استدلال کیا ہے:

’’عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ، اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ: ’’لَيْسَ عَلٰى صَاحِبِ الْعَارِيَةِ ضَمَانٌ.‘‘ (۱۶)

’’حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص کو عاریتاً چیز سپرد کی گئی (سوا اس شئے کی ہلاکت کی صورت میں) کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔‘‘

③ : البتہ احناف کے نزدیک عاریت اصلاً موجبِ ضمان نہیں، الا یہ کہ مستعیر کی جانب سے تعدّی ہو

تو پھر ضمان عائد ہوگا۔ (۱۷)

جو حضرات بغیر تعدّی کے عدمِ ضمان کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ مرفوع روایت ہے:

’’عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ وَلَا عَلَى الْمُسْتَوْدِعِ غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ.‘‘ (۱۸)

’’نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عاریت پر لینے والے شخص پر جو خیانت نہ کرے ضمان لازم نہیں، اسی طرح ودیعت پر چیز رکھنے والا شخص جو خائن نہ ہو اس پر ضمان لازم نہیں۔‘‘

عاریت پر لی گئی کتب میں تصرف کی گنجائش

کیا مستعیر کے تصرفات کو شریعت نے روا رکھا ہے؟ اور کونسی صورتیں تعدی وزیادتی تصور کی جائیں گی؟

①: کتاب کو نقل و کاپی کرنا

اس کو فقہاء کرامؒ نے مالک کی اجازت کے بغیر ممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن مفلحؒ نے ذکر کیا ہے:

’’قَالَ الْمَرُّوْذِيُّ: قُلْت لِأَبِيْ عَبْدِ اللهِ: رَجُلٌ سَقَطَتْ مِنْهُ وَرَقَةٌ فِيْهَا اَحَادِيْثُ فَوَائِدُ فَاَخَذْتُهَا، تُرَى اَنْ اَنْسَخَهَا وَاَسْمَعَهَا؟ قَالَ: لَا إِلَّا بِإِذْنِ صَاحِبِهَا.‘‘ (۱۹)

’’مروذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ سے دریافت کیا کہ ایک شخص سے اس کے چند صفحات گرے، جس میں احادیث سے متعلق فوائد تھے، کیا میرے لیے ان کو الگ سے لکھنا اور آگے بیان کرنا شرعاً درست ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، مگر مالک کی اجازت حاصل ہو۔‘‘

②: کتاب کے اطراف میں حاشیہ وتعلیق کا اضافہ کرنا

اس کو بھی منع لکھا گیا ہے، چونکہ یہ اصل مالک کے لیے قلبی کدورت کا باعث ہے۔ نیز یہ عمل فریقین کے مابین چپقلش پیدا کرسکتا ہے، اسی طرح یہ عمل کتاب کے صفحات پر سیاہی ملنے کے مترادف ہے۔

③: غلطی کی اصلاح کرنا

اس کا جواز بھی مالک کی طبیعت ورضا پر موقوف ہے، چونکہ یہ غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے۔ البتہ شوافع حضرات نے اس پر مزید دو شرائط کا اضافہ کیا ہے:

(الف) اس غلطی کی اصلاح خوش خط سے کی جائے، لہٰذا اگر اس طرح اصلاح کی گئی جس سے وہ عیب دار معلوم ہو تو اجازت نہیں۔

(ب) حد سے زائد اصلاح نہ کرے، جس کی وجہ سے مالک اسے قبول کرنے سے ہی پس وپیش کربیٹھے، وگرنہ یہ موجبِ ضمان ہوگا۔

۴: کسی اور کو آگے عاریتاً کتاب دینا

اس سے متعلق علماء کی دونوں طرح کی آراء ملتی ہیں، یہی حکم ودیعت رکھوانے کا ہے، اس نزاع کی بنیادی وجہ اس بات میں اختلاف ہونا ہے کہ اِعارۃ تملیک المنافع کا نام ہے، یا اباحتِ منافع کا؟ جس کی تفصیل اوپر درج کی جاچکی ہے۔ بدر بن جماعہؒ اپنی مایہ ناز کتاب ''تذکرۃ السامع والمتکلم'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ولا یعیرہ غیرہ، ولا یودّعہ لغیر ضرورۃ حیث یجوز شرعا.''(۲۰)

''عاریت والی چیز کسی دوسرے کو عاریتاً سپرد نہ کرے، اور بغیر ضرورت ودیعت کے طور پر بھی نہ رکھوائے جہاں رکھوانا درست ہو۔''

عاریۃً کتب کے لین دین سے متعلق ضروری آداب

۱: معیر سے وابستہ فرائض وآداب

کتاب کسی کو سپرد کرنے سے قبل اس شخص میں موجود اہلیت ولیاقت کی جانچ پڑتال کرلے، اگر وہ شخص اس کتاب کے پڑھنے کی استعداد سے عاری ہے، یا پڑھنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے، مگر اس قدر بے احتیاطی سے مطالعہ کرتا ہے جو اس کتاب کی جلد میں خرابی کا باعث ہو تو ایسی صورت میں وہ کتاب ہرگز سپرد نہ کرے، نیز بعض اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ کسی کو کتاب حوالہ کرنے سے قبل اس کو کتاب سمیت بلاتے، اگر اس کی کتاب محفوظ ہوتی تو اسے بطیبِ خاطر دیتے، لیکن اگر وہ غبار آلود اور کمزور جلد کی حامل ہوچکی ہوتی تو معذرت کرلیتے تھے۔ (۲۱)

اسی طرح اتنی مدت اس کو مطالعہ کے لیے فراہم کرے کہ وہ بآسانی مطالعہ کرکے اپنے ہدف تک رسائی ممکن بنالے، البتہ مستعیر بھی ضرورت سے زائد اس کو اپنے پاس روکے رکھنے سے اجتناب کرے، جیسا کہ ابوبکر خطیبؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: ''ایک شخص کتاب عاریتاً لینے کی امید سے آیا تو معیر نے کتاب اس کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ: ''لاتکن في حبسك لهٗ کصاحب القربة''... ''کتاب کو روکے رکھنے میں مشکیزہ والے شخص کی مانند مت بن جانا'' مستعیر بھی سمجھدار تھا، اس نے فوراً کہا: ''لاتکن أنت في ارتجاعك کصاحب المصباح''... ''تم بھی سوال کرنے میں چراغ والے کا رویہ مت اختیار کرنا'' ذکر کردہ پہلی ضرب المثل کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نے عاریۃً مشکیزہ لیا، اور جلد لوٹانے کا وعدہ کیا، مگر عرصہ دراز بعد اس نے مشکیزہ لوٹایا، جبکہ وہ مشکیزہ ناقابلِ استعمال ہوگیا تھا۔ دوسری ضرب المثل کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نے دن کے اوقات میں اپنے پڑوسی سے رات آنے والے مہمان کی ضیافت کی غرض سے چراغ عاریۃً لیا، ابھی کچھ ہی لمحات گزرے ہوں گے کہ معیر جو کہ جلد باز قسم کا شخص تھا، وہ اس کی واپسی کا مطالبہ کرنے پہنچ گیا، مستعیر کو کافی حیرت

ہوئی، معیر نے کہا کہ تم نے چراغ دن میں استعمال کے لیے لیا تھا یا رات کے؟ اس نے کہا کہ رات اندھیرے میں استعمال کی غرض سے۔ اس پر معیر نے کہا کہ رات تو ابھی تک نہیں آئی، لہٰذا میں واپسی کا مطالبہ کرنے آ گیا۔ (۲۲)

②: مستعیر سے وابستہ فرائض وآداب

کتاب کو محفوظ طریقہ سے پڑھنے کا اہتمام کرے، واپسی لوٹانے میں تفریط سے کام نہ لے، اسی طرح اس کو آگے عاریۃً، ودیعۃً دینے یا بطورِ رہن رکھوانے سے گریز کرے۔ نیز کتاب کی سپردگی کے وقت معیر کا شکریہ ادا کرے، جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار میں شاعر نے کتبِ علمیہ کے ساتھ اپنے بے انتہا شغف کا اظہار کیا ہے:

اَجُوْدُ بِجُلِّ مَالِیْ لَا اُبَالِیْ
وَاَبْخَلُ عِنْدَ مَسْاَلَۃِ الْکِتَابِ
وَذٰلِکَ لِاَنَّنِیْ اَنْفَقْتُ حِرْصًا
عَلٰی تَحْصِیْلِہٖ شَرْخَ الشَّبَابِ

ترجمہ: ''میں اپنے تمام مال کی سخاوت کروں، مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے، لیکن کتاب کی طلب پر بخل کا مظاہرہ کرتا ہوں، کیونکہ ان کتب کے حصول میں اپنی جوانی کی طاقت وقوت کو صرف کیا ہے۔''

حواشی وحوالہ جات

۱: لسان العرب: ۶۱۸/ ۴ ۲: التعریفات للجرجاني، صفحه: ۱۴۶
۳: البناية شرح الهداية: ۱۳۶/ ۱۰، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان
۴: الجامع لأخلاق الراوي، وآداب السامع للخطيب: ۲۴۲/ ۱
۵: الآداب الشرعية لابن مفلح والمنح المرعية: ۱۶۸/ ۲
۶: أيضاً ۷: الآداب الشرعية لابن مفلح والمنح المرعية: ۱۶۸/ ۲
۸: تذكرة السامع والمتكلم لابن جماعة، الباب الرابع، ص: ۱۶۸، ط: دار الكتب العلمية
۹: الفتاوى الهندية: ۳۷۸/ ۴ ۱۰: البناية شرح الهداية: ۱۳۶/ ۱۰، ط: دار الكتب العلمية
۱۱: سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في تضمين العارية، رقم الحديث: ۳۵۶۲
۱۲: الجامع لأخلاق الراوي، باب كراهة حبس الكتب المستعارة عن أصحابها.
۱۳: إعارة الكتب أحكامها وآدابها في الفقه الإسلامي، لصالح بن محمد الرشيد، ص: ۲۰، ط: دار الصميعي
۱۴: مصنف عبدالرزاق: ۱۸۰/ ۳، رقم الحديث: ۱۴۷۹۱، ط: المجلس العلمي، الهند
۱۵: البناية شرح الهداية: ۱۴۲/ ۱۰، ط: دار الكتب العلمية ۱۶: مصنف عبدالرزاق: ۱۴۷۸۶
۱۷: مختصر اختلاف العلماء للطحاوي ـ اختصار الجصاص: ۱۸۶/ ۴
۱۸: دار قطني: ۴۵۶/ ۳، رقم الحديث: ۲۹۶۱، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان
۱۹: الآداب الشرعية لابن مفلح، ص: ۱۶۰، فصل في بذل العلم، الناشر: عالم الكتب
۲۰: تذكرة السامع والمتكلم لبدر ابن جماعة، ص: ۲۳۱
۲۱: تقييد العلم لأبي بكر الخطيب البغدادي، ص: ۱۴۶، ط: إحياء السنة النبوية، بيروت
۲۲: تقييد العلم للخطيب البغدادي، ص: ۱۴۸

مہرِ شرعی کی مقدار

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

❶: شرعی مہر کی مقدار کیا ہے؟ اور آج کے دور میں کتنا بنتا ہے؟

❷: اگر پہلی رات لڑکا بن مانگے لڑکی کو مہر دے تو اسے کیا کہتے ہیں؟ نکاح نامہ میں اس بات کو کس طرح لکھا جائے؟ جزاکم اللہ خیرا   مستفتی: شیخ محی الدین (کراچی)

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

❶: واضح رہے کہ مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، چاندی کے حساب سے اس کی مقدار بحسابِ گرام تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام اور تولہ کے اعتبار سے 31.5 ماشہ چاندی بنتی ہے۔ اس ضمن میں بازار میں چاندی کا جو بھی ریٹ ہو اس کے حساب سے رقم مقرر کی جائے۔ البتہ مہر فاطمی کو معیار بنانا سنت ہے۔

مہرِ فاطمی کی مقدار احادیث میں ساڑھے بارہ اوقیہ منقول ہے اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، تو اس حساب سے مہر فاطمی پانچ سو درہم بنتے ہیں، جبکہ موجودہ دور کے حساب سے اس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہے، اور گرام کے حساب سے 1.5309 کلوگرام چاندی ہے۔

بایں ہمہ چونکہ نکاح کرنے والے کے حالات وسعت واستطاعت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، اس لیے شریعت نے مہر کا معاملہ زوجین کی باہمی رضامندی شوہر کی وسعت وقدرت اور بیوی کی طلب وحیثیت پر چھوڑا ہے، مگر اتنا زیادہ مقرر کرنا جسے شوہر عملاً ادا کرنے سے قاصر ہو، یا دینا مقصود ہی نہ ہو، یہ درست نہیں ہے۔

❷: اگرلڑکا پہلی رات ہی بلا مطالبہ مہر ادا کردے تو نکاح نامہ میں اس طرح کی عبارت لکھ دی جائے، مثلاً: ''پندرہ ہزارروپے مہرِ معجّل (فوری ادائیگی)۔''

اور بہتر بھی یہی ہے کہ بیوی سے پہلی ملاقات کے وقت مہر اس کے حوالہ کردیا جائے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

''(أقلهٗ عشرة دراهم) لحديث بيهقي:"لامهر أقلّ من عشرة دراهم... الخ.'' (ج:۳،ص:۱۰۱۔البحرالرائق، ج:۳،ص:۱۴۲)

''(فتجب) العشرة إن سمّاها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمّٰى (الأكثر) .... (قوله: و يتأكد) أي الواجب من العشرة أو الأكثر.''

(فتاویٰ شامی، ج:۳،ص:۱۰۲)

حدیث مبارکہ میں ہے:

''عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: ألا لاتغالوا في صدقة النساء ... ماعلمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح شيئا من نسائهٖ ولاأنكح شيئا من بناتهٖ علٰى أكثر من اثنتي عشرة أوقية.'' (مشکوۃ المصابیح،ص:۲۷۷)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	محمد انس انور
الجواب صحیح		دارالافتاء
شعیب عالم		جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

آن لائن تلاوت کی صورت میں سجدۂ تلاوت کا حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

①: آن لائن سبق کے دوران اگر استاذ آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو شاگرد پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

②: ریڈیو یا انٹرنیٹ کے ذریعے حرمین شریفین کی تراویح سننے والا جب آیتِ سجدہ سنے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟

مستفتی: عبداللہ

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

①: واضح رہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لیے خود سجدہ کی آیت تلاوت کرنا یا کسی انسان سے براہِ راست سجدہ کی آیت کی تلاوت سننا شرط ہے۔ آن لائن یا ریکارڈ شدہ سجدہ کی آیت سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر آن لائن قرآن پڑھاتے ہوئے استاذ سجدہ کی آیت تلاوت کرے گا اور شاگرد صرف سنے گا تو استاذ پر تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، شاگرد پر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر استاذ کے سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد شاگرد بھی سجدہ کی آیت دہرائے گا تو اس پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوجائے گا۔

②: نیز ریڈیو یا انٹرنیٹ کے ذریعے حرمین شریفین کی تراویح سننے والا اگر سجدہ کی آیت سنے گا تو اس پر بھی سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔

ملحوظ رہے کہ آن لائن ٹرانسمیشن کے ذریعہ آنے والی آواز لاؤڈ اسپیکر کی طرح براہِ راست نہیں ہوتی، بلکہ یہ ریکارڈ شدہ ہی آواز ہوتی ہے، تاہم اسے بہت سرعت سے نشر کردیا جاتا ہے، اس لیے وہ آن لائن سمجھی جاتی ہے۔ (یعنی آن لائن ٹرانسمیشن کے ذریعہ آنے والی آواز اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز میں فرق ہے، آن لائن ٹرانسمیشن کے ذریعہ آنے والی آواز براہِ راست نہیں ہوتی، بلکہ ریکارڈ شدہ ہوتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز براہِ راست ہوتی ہے۔) ’’بدائع الصنائع‘‘ میں ہے:

’’و كذا تجب على السامع بتلاوة هٰؤلاء إلا المجنون؛ لأن التلاوة منهم صحيحة، كتلاوة المؤمن والبالغ وغير الحائض والمتطهر؛ لأنّ تعلّق السجدة بقليل القراءة وهو ما دون آية، فلم يتعلّق به النهي، فينظر إلٰى أهلية التالي، وأهليته بالتمييز وقد وجد، فوجد سماع تلاوة صحيحة، فتجب السجدة، بخلاف السماع من الببغاء والصدى؛ فإن ذٰلك ليس بتلاوة، وكذا إذا سمع من المجنون؛ لأن ذٰلك ليس بتلاوة صحيحة لعدم أهليته لانعدام التمييز.‘‘

(کتاب الصلاۃ، فصل: شرائط جواز السجدۃ: ۱/ ۱۸۶، ط: دار الکتب العلمیۃ)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	شعیب عالم	عزیر محمود
		دارالافتاء

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی